دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی
ایک سائنسی کتاب
توحید مفضل
توحید پرستوں کے لیے علم کا لازوال خزانہ
4
موضوع: آفات و مشکلات، بیماری، موت
نیچر کیا ھے؟
سائنسی تشریحات
محمد علی سید

دوسری صدی ھجری میں لکھی گئی ایک سائنسی کتاب

توحید پرستوں کے لیے علم کا لازوال خزانہ

پہلی بار سائنسی تشریحات کے ساتھ

لیکچر:4

موضوع: آفات ومشکلات، بیماری، موت

نیچر کیا ہے؟

ترجمہ حدیث:

مولانا سیّد محمد ھارون زنگی پوری صاحب قبلہ

سائنسی تشریحات:

محمد علی سیّد

کتاب: توحید مُفضل۔ سائنسی تشریحات کے ساتھ
جلد: لیکچر 4
ترجمہ حدیث: مولانا سیّد محمد ہارون زنگی پوری (مرحوم)
سائنسی تشریحات: محمد علی سیّد
تعدادِ اشاعت: ایک ہزار
سن اشاعت: دسمبر 2016ء
سرورق: فضہ علی سیّد
پبلشر: قرآن اینڈ سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان۔
(زہرؑا اکیڈمی پاکستان کا ذیلی ادارہ)
تزئین و آرائش: مرزا محمد علی
پرنٹر:
قیمت: 300 روپے

یہ کتاب درج ذیل بک اسٹورز پر دستیاب ہے
(۱) ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی۔
(۲) محفوظ بک ایجنسی، مارٹن روڈ، کراچی۔
(۳) زیدی کتب خانہ، سیّدہ گوٹھ، خیر پور میرٹس۔
(۴) افتخار بک ڈپو، لاہور۔
(۵) محمد علی بک ڈپو، اسلام آباد۔
(۶) مکتبہ رضا، لاہور۔
بہ ذریعہ کوریئر منگوانے کیلئے رابطہ کریں: 0345-2443358

❁ جملہ حقوق محفوظ ہیں ❁

ذاکرین اور مقررین حضرات سے گزارش ہے کہ اس کتاب سے اپنی تقاریر میں بھرپور استفادہ فرمائیں لیکن کتاب کا پورا نام بھی حاضرین کے لیے بیان فرمائیں ''توحید مُفضل۔سائنسی تشریحات کے ساتھ''۔

توحید مفضل کے نام سے مارکیٹ میں کئی کتابیں موجود ہیں جن میں سائنسی تشریحات موجود نہیں ہیں۔توحید مفضل کے نام سے ایک کتاب مارکیٹ میں موجود ہے جو محمد علی سیّد صاحب کی تالیف ''توحیدِ مفضل سائنسی تشریحات کے ساتھ'' کی مِن وعن نقل ہے۔

(ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرفِ انتساب

امام جعفر صادق علیہ السلام
کے صحابی شیخ مُفضل ابن عمرؒ کے نام۔
جنہوں نے ان علوم کو اپنے آقا و مولا سے براہِ راست حاصل کیا،
امامؑ کی موجودگی و نگرانی میں اس کلام کو اپنی انگلیوں اور قلم کے ذریعے کاغذ پر منتقل کیا۔
اور اس دور میں جب لوگ پوچھتے ہیں کہ علم لدنی کیا ہوتا ہے؟
اللہ رب علیم و خبیر نے ایسے مواقعِ پیدا کر دیے کہ علوم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد علیہم السلام کے
ان گراں بہا سچے موتیوں کو دنیا کے سامنے دوبارہ پیش کرنا آسان ہو گیا،
جو زمانوں اور زبانوں کے بدلنے سے دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔
توحید مُفضل کی یہ چار کتابیں، اگرچہ کل کا محض ایک جز ہیں
لیکن مشرق سے مغرب تک کے سائنس دانوں کو یہ سمجھانے کے لیے کافی ہیں
کہ گزشتہ سارے زمانوں میں سائنس نے جو کچھ معلوم کیا،
والیاں اُمر اور صاحبانِ ذکر نزول قرآن کے زمانے ہی میں
ان علوم کو بیان کر چکے تھے۔

محمد علی سیّد

آزمائش

''اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک سے اور اموال اور
جانوں اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور
(اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسے صبر کرنے والوں کو کہ جب
ان پر کوئی مصیبت آپڑی تو وہ (بے ساختہ) کہتے ہیں
ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے
والے ہیں، خوش خبری دے دو کہ انہی لوگوں پر
پروردگار کی طرف سے عنائتیں ہیں اور رحمت۔ اور یہی
لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

(سورہ بقرہ۔155-156-157)

فہرست

آفات وحادثات

اس جلد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے چوتھے لیکچر کی تشریح پیش کی جارہی ہے۔ یاد رہے کہ اثباتِ وجودِ خدا کے حوالے سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ چار لیکچر چار مختلف دنوں میں اپنے انتہائی بااعتماد اور ذہین صحابی جناب مفضل ابن عمرؓ کے سامنے بیان فرمائے اور مفضل ابن عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اس ساری گفتگو کو ساتھ ساتھ لکھتے بھی رہیں۔ اثباتِ وجودِ خدا کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے عقلی و منطقی دلائل کے ساتھ ساتھ آثارِ کائنات اور ان میں موجود اللہ کی نشانیوں، حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب بھی متوجہ فرمایا جن کی تفصیل آپ گزشتہ لیکچرز میں پڑھ چکے ہیں۔ اس چوتھے لیکچر کے موضوعات اور دلائل ذرا مختلف ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان مفاہیم کو آسان لفظوں میں قارئین تک پہنچا سکیں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ امامؑ کے اس آخری لیکچر میں اس نظریے کے بارے میں بات کی گئی ہے جو چارلس ڈارون نامی سائنس دان کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں اس بات کے ثبوت فراہم کیے گئے ہیں کہ یہ نظریہ چارلس ڈارون کے پیدا ہونے سے ہزار سال پہلے بھی دنیا میں موجود تھا۔

(ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

چند گزارشات

محمد علی سیّد

الحمدللہ! توحید مفصل کا چوتھا حصہ، امام جعفر صادق علیہ السلام کا چوتھا لیکچر، سائنسی تشریحات کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے اور میں امامؑ کی ایک اور عظیم الشان حدیث "حدیثِ ھلیلہ" پر کام شروع کر رہا ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کلام معصومؑ کو سمجھنے اور سمجھانے کی اس چھوٹی سی کوشش کو قبول فرمائے۔

اس چوتھے لیکچر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ان اُلجھے ہوئے سوالوں کے جواب دیے ہیں جو آج سے ہزار سال پہلے بھی لوگوں کے ذہن میں آتے تھے اور آج بھی بے شمار لوگ حتیٰ کہ خود اکثر مسلمان انھی سوالوں سے نبرد آزما رہتے ہیں۔

دیکھیے! فیس بک کی طرح ہمارے دماغ میں بھی طرح طرح کی اچھی بُری پوسٹیں لوڈ ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی پوسٹ ہمیں ظلم و تاریکی کی طرف لے جاتی ہے اور کوئی پوسٹ ہمیں ظلم اور تاریکی سے نکال کر روشنی اور نور کی طرف لے جاتی ہے۔

عقل مند آدمی کسی پوسٹ کو کھولنے سے پہلے ہی اس کا نفس مضمون سمجھ جاتا ہے کہ یہ پوسٹ رحمانی نیٹ ورک سے آئی ہے یا شیطانی نیٹ ورک کی جانب سے لوڈ کی گئی ہے۔ اسی لیے وہ کسی پوسٹ کو کھولتا ہے اور کسی کو دیکھے بغیر ہی ڈیلیٹ کر دیتا ہے۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ دماغ ہر وقت خیر و شر کی جنگ میں مصروف رہتا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں جو سوال انسان کے ذہن میں آتے ہیں۔ انسان اکثر ان پر زیادہ غور بھی نہیں کرنا چاہتا حتیٰ کہ جب اس کے ذہنی خلفشار میں اضافہ ہوتا ہے، تب بھی وہ ان سوالوں کے جواب کسی دوسرے سے معلوم کرنے سے ڈرتا ہے، کہیں دوسرے اسے کافر و مشرک یا گمراہ نہ سمجھنے لگیں۔ امام جعفر

صادق علیہ السلام نے اس چوتھے لیکچر میں اسی طرح کے اُلجھے ہوئے سوالوں کے جواب دیے ہیں۔ یقین ہے کہ نئی نسل کے افراد اس لیکچر سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

اس چوتھے لیکچر کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے مخلوقات کے اعضاء اور اس میں نیچر (NATURE) کے کردار کے حوالے سے ایسے ایمان افروز دلائل بیان فرمائے ہیں کہ شاید کوئی ضدی اور گمراہ انسان ہی ان دلائل وحقائق کا انکار کر سکے۔

آج مغرب کے سائنس دان اور ان کی تقلید میں بہت سے مسلمان سائنس دان بھی لاشعوری طور پر اللہ تعالیٰ کے متبادل کے طور پر نیچر (NATURE) کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور جب کسی رازِ کائنات کے بارے میں خالق کائنات کا نام لینا ناگزیر ہو جاتا ہے تو ایسے مقام پر وہ ''نامعلوم اسباب'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس چوتھے لیکچر میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور ماضی کے فلسفیوں (اور حال کے سائنس دانوں) کے نظریات کو رد کر کے عقلی و منطقی دلائل ارشاد فرمائے ہیں جن سے صرفِ نظر کرنا کسی سائنس دان کے لیے ممکن نہیں ہے۔

اب ذرا اپنا حال بھی بیان کریں۔ توحید مفضل کے اس چوتھے لیکچر پر کام کے آغاز کے ساتھ ہی اپنی کم علمی کا بڑی شدت سے احساس ہوا..... بہر حال میری اس کمی کو کئی مہربان دوستوں نے پورا کیا۔ بعض مشکل فلسفیانہ مباحث ایسے تھے جنہیں میں اپنی کم علمی کے سبب سمجھنے سے بھی قاصر تھا۔

اس مشکل سے نکلنے میں خاص طور پر مولانا سجاد مہدوی مدیر ماہنامہ طاہرہ کراچی اور مولانا عابد رضا عرفانی صاحب نے میری بہت رہنمائی فرمائی۔ ان کے علاوہ کچھ مہربان ایسے ہیں جو میرے کام کی مسلسل ہمت افزائی کرتے رہتے ہیں اور یہ ہمت افزائی مجھے آگے بڑھنے میں مدد فراہم کرتی رہی ہے۔

مفسر قرآن مولانا شیخ محسن نجفی صاحب اور علامہ طالب جوہری صاحب کی ہمت افزائی مجھے بڑی توانائی فراہم کرتی ہے۔ مولانا سیّد رضی جعفر نقوی صاحب، مولانا سیّد عقیل الغروی صاحب، ڈاکٹر کلب صادق صاحب، مولانا سیّد ذکی باقری صاحب نہ صرف یہ کہ میری تحریروں کو پسند کرتے ہیں بلکہ اپنی مجالس میں سامعین کو اس حقیر کی کتابوں کے مطالعے کی طرف متوجہ بھی کرتے رہتے ہیں۔

اس حوالے سے ایک شخصیت کا تذکرہ میں آخر میں اس لیے کر رہا ہوں کہ میری بیشتر کتابیں بہ شمول ''توحید مفضل''، خود انہی کے ادارے، زہراؑ اکیڈمی پاکستان کے زیر اہتمام شائع ہوتی رہی ہیں۔ حجتہ السلام والمسلمین شیخ شبیر حسن میثمی صاحب جنہوں نے میرے کام کی سب سے پہلے اور سب سے

بڑھ کر قدر شناسی فرمائی اور یہ قدر شناسی عملی نوعیت کی ہے۔ میں کئی سال سے زہرا اکیڈمی پاکستان سے وابستہ ہوں۔ مولانا شبیر حسن میثمی صاحب نہ کبھی میری کسی کتاب کی اشاعت کی ذمے داری قبول کرنے میں تاخیر فرماتے ہیں اور نہ کبھی میری مشکلات میں مدد کرنے میں دیر کرتے ہیں۔ اللہ ربّ کریم ان کی توفیقات میں اضافہ اور ان کے فلاحی کاموں میں وسعت و برکت عطا فرمائے۔

کئی بڑے معتبر اور دانش مند افراد جو قوم کی علمی حالت سے مایوس نظر آتے ہیں مجھ سے اکثر سوال کرتے ہیں کہ میں اتنے مشکل موضوعات کو کس کے لیے آسان کر کے لکھتا ہوں تو اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ میں جن کے لیے ان مشکل موضوعات کو آسان کر رہا ہوں، وہ ابھی کربلا و نجف، قم و مشہد اور پاکستان کے دینی مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان میں سے سائنسی شعور رکھنے والے، آثارِ کائنات، قوانین فطرت اور علوم محمدؐ و آل محمدؐ پر غور و فکر کرنے والے ذہین طالب علم جب محراب و منبر تک پہنچیں گے تو میرے لفظوں کو زبان مل جائے گی۔

ویسے مجھے اس کی کوئی ایسی جلدی بھی نہیں ہے۔ ہزار سال بھی گزر جائیں تو مجھے کوئی عجلت نہیں کہ جس کے لیے اور جن کے لیے میں نے یہ کام کیا، اس تک اور ان تک تو میری تحریریں، تحریر کے قالب میں ڈھلنے سے پہلے ہی پہنچ جاتی ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آتی ہی وہاں سے ہیں۔

جنس بازارِ معاصی

والسلام
محمد علی سیّد۔ 24 نومبر 2016ء

Cell # 0345 2443358, Email: alisyed12@hotmail.com
www.facebook.com/quran science research foundation pakistan
1279301987360666
www.youtube.com/quranandscience110

توحیدِ مفضل کی ایک جامع شرح

حجت الاسلام والمسلمین

مولانا سیّد رضی جعفر نقوی صاحب قبلہ

محمد علی سیّد قوم وملت کی گرامی قدر شخصیت ہیں، انہیں اللہ نے حسنِ صورت وحسنِ سیرت کے ساتھ، ایک نہایت گراں بہا دولت سے مالا مال کیا ہے اور وہ ہے مشکل باتوں کو آسان تر کر کے بیان کرنا۔ اسی لیے وہ جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں دقیق سے دقیق مضمون اور علمی نکات، اپنی سلاست بیانی کے ذریعے سے پوری شیرینی کے ساتھ قاری کے دل ودماغ میں اُتار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محترم جناب محمد علی سیّد صاحب پر خداوند تعالیٰ کا خاص لطف وکرم ہے کہ اس نے انہیں قلم کے استعمال کی ایسی غیر معمولی صلاحیت بخشی ہے کہ آپ انتہائی پیچیدہ موضوعات کو سہل بنا کر قاری کے ذہن تک پہنچاتے ہیں۔

آپ ملک کے نہایت موقر قومی ومذہبی جرائد کے مدیر اعلیٰ کے منصب پر بھی فائز رہے ہیں اور ملک بھر کے لوگ تقریباً نصف صدی سے آپ کی تحریروں سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ اچھوتے موضوعات کا انتخاب کرنا اور ان موضوعات پر سیر حاصل گفتگو اس انداز سے کرنا کہ قاری، جیسے جیسے آگے بڑھتا جائے، اس کی طلب میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور مضمون کو شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر رکھنے کو دل نہ چاہے۔

کراچی سے اسلام آباد تک جا بجا آپ کی قلمی خدمات کا چرچہ ہے۔

بیان کی سلاست اور مطالب کی ندرت ...... آپ کی تحریروں کے دو ایسے عنصر ہیں جن کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ چاہے وہ آپ کے مضامین ہوں، جو مختلف اخبارات وجرائد میں شائع ہوتے رہے یا آپ کی تالیفات ہوں، جو کتابی صورت میں منظر عام پر آ رہی ہیں۔ قرآن مجید کے سورۂ مبارکہ

''القلم'' میں خداوند عالم نے ''قلم'' کو قسم کا محور قرار دیا ہے وہ اس کی عظمت کا ایسا اعلان ہے جو تا قیامت زندہ تابندہ رہے گا۔

ارشادِ قدرت ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ [1]

ترجمہ: ن و قلم کی اور اس چیز کی جو لکھتے ہیں (اس کی) قسم ہے۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مالک دو جہاں نے آفتاب و ماہتاب، روز و شب، زمین و آسمان اور دیگر باعظمت اشیاء کی قسم کھائی، وہاں قلم اور اس سے نکلنے والی تحریر کی بھی قسم کھائی ہے جس سے اس کی عظمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور افادیت کا بھی۔ اور واضح بات ہے کہ اگر قلم اور تحریر جیسی چیز وسیلہ نہ بنتی تو گزشتہ صدیوں کے اکابر و بزرگان کی باتیں ہم تک کیسے پہنچ سکتی تھیں۔

محترم ڈاکٹر سردار نقوی مرحوم نے جناب محمد علی سیّد کے قلم کے لیے لکھا تھا:

لگتا ہے، محمد علی سیّد کے قلم کا رشتہ اس قلم سے ہے جس کے لیے جوش ملیح آبادی نے کہا تھا۔

نام تیرا سببِ جنبشِ لب ہائے رسولؐ
اے قلم آخری لمحے کی تمنائے رسولؐ

(تبصرہ۔ لہو کی موجیں)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بلند مرتبہ شاگردوں میں ''جناب مفضل بن عمر'' انتہائی جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے۔

امامؑ کو ان کے فہم و فراست پر اس قدر اعتماد تھا کہ آپؑ نے انہیں کائنات کے غیر معمولی اسرار و رموز کی تعلیم دی اور جب انہوں نے آپؑ سے ذات کردگار اور اس کی توحید کے بارے میں کچھ سوالات کیے تو امامؑ نے ان سوالات کے جواب میں علم و معرفت کے دریا بہا دیے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی، جناب مفضل سے وہ گفتگو جس کا سلسلہ کئی روز تک جاری

---

[1] سورہ القلم ۶۸، آیت ۱۔

رہا، ایک کتابی شکل میں مرتب کی گئی اور ''توحید مفضل'' نامی کتاب صاحبان فکر و دانش کے مطالعے میں آئی ، جو انسانی زندگی اور کائنات سے متعلق نہایت پیچیدہ مباحث پر مشتمل ہے اور اس کے مطالب اس قدر عمیق ہیں کہ متوسط علماء کے لیے بھی اسے پوری طرح سمجھنا دشوار تھا۔ گزشتہ صدی میں برصغیر کے ایک ممتاز عالم دین نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا تھا مگر وہ ترجمہ بھی مشکل عبارتوں پر مشتمل تھا۔ یہ کتاب، توحید الائمہ یا توحید مفضل کے نام سے اردو زبان میں شائع ہوتی رہی ہے لیکن اسے سمجھنا بے حد دشوار ہے۔

محترم جناب محمد علی سیّد صاحب جو انوکھے کام سرانجام دے کر بہت مسرت محسوس کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ ''توحید مفضل'' نامی عظیم الشان کتاب کا سلیس اردو میں ترجمہ اور مختلف سائنسی علوم کے مطالب سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی جامع شرح لکھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد علی سیّد صاحب نے اس کام کو نہایت عرق ریزی کے ساتھ انجام دیا اور 4 جلدوں پر مشتمل یہ کتاب منظر عام پر آ گئی، جو صاحبانِ فکر و دانش کے لیے درحقیقت ایک قیمتی تحفہ ہے۔ جو شخص بھی اس موضوع سے دلچسپی رکھتا ہو اس کے پاس یہ کتاب ضرور ہونی چاہیے۔ میرے علم کے مطابق ''توحیدِ مفضل'' کی سائنسی شرح آج تک کسی دوسری زبان میں نہیں لکھی گئی ہے۔

(توحیدِ مفضل۔ سائنسی تشریحات کے ساتھ کی تین جلدیں 2010ء میں شائع ہو کر نایاب ہو چکی ہیں۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں اس سلسلے کی چوتھی کتاب ہے۔)

میری دعا ہے کہ پاک پروردگار، ہمارے گرامی مرتبت و عالی قدر سیّد صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ طویل زندگی عطا فرمائے، آپ اسی طرح نئے نئے مطالب کے موتی بکھیرتے رہیں اور تشنگانِ علم و معرفت اپنے دامن میں ان موتیوں کو سمیٹے رہیں۔

والسلام

سیّد رضی جعفر نقوی

اس حدیث کے راوی

جناب مفضل ابن عمرؓ جُعفی

خدمات ومنزلت

یہ حدیث مبارک جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبان مبارک سے صادر ہوئی، توحید کے موضوع پر ایک طولانی روایت ہے۔اس کے راوی مفضل ابن عمرؓ جعفی کوفی ہیں۔ یہ حدیث اسی سبب سے توحید مفضل کے نام سے مشہور ہے۔اس حدیث کا فارسی ،فرانسیسی ،انگریزی اور اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

جناب مفضل ابن عمرؓ ،امام جعفر صادق علیہ السلام کے نہایت ممتاز شاگرد تھے۔جناب مفضل ابن عمرؓ کا تعلق جعفی قبیلے سے تھا اور آپ کوفے کے رہنے والے تھے۔اسی لیے آپ مفضل ابن عمرؓ جعفی کوفی کے نام سے مشہور ہوئے۔آپ اپنے وقت کے نامور دانش مند اور بہت ہی بافضیلت وباکمال شخصیت تھے۔آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مکتب علمی سے درس معرفت حاصل کیا۔بعض روایات کے مطابق انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی علمی محفل سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔

جناب مفضلؓ ،امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے معتبر اور قابل بھروسا اصحاب میں شامل تھے۔دونوں اماموںؑ کے نزدیک انھیں خاص الخاص مقام حاصل تھا۔ (حوالہ: قاموس الرجال: جلد ۹ صفحہ ۹۳۔۱۰۱)

مفضل ابن عمرؓ کی منزلت کو سمجھنے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ آپ امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اموال وصول کرنے اور خرچ کرنے میں دونوں اماموں علیہ السلام کے وکیل تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”مفضل! جب تم دیکھو کہ ہمارے دو شیعوں کے درمیان مال پر اختلاف ہوا ہے تو ہمارے مال سے رقم ادا کر کے یہ جھگڑا ختم کرا سکتے ہو۔“ (حوالہ: مفضل۔امینِ امامؑ)

مفضل ابن عمرؓ پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں پیدا ہوئے۔آپ نے 80 سال کی عمر

پائی اور سن دو ہجری میں انتقال فرمایا۔ آپ کی جو تالیفات ہم تک پہنچی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ توحید مفضل ۲۔ کتاب الوصیہ ۳۔ کتاب الیوم والیلۃ ۴۔ عِلَلُ الشرائع ۵۔ کتاب ہلیلج (یعنی ہڑ)۔ یہ کتاب ''حدیث ہلیلہ'' کے نام سے معروف ہے۔

جناب شیخ طوسیؒ نے اپنی ''رجال'' اور شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب ''ارشاد'' میں جناب مفضل ابن عمرؓ کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے عظیم اور موردِ اطمینان اصحاب میں شمار کیا ہے۔

ہشام ابن احمد سے روایت ہے۔ ''میں ایک دن امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں خیال تھا کہ میں حضرتؑ سے مفضل ابن عمرؓ کے بارے میں سوال کروں گا، لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم مفضل ابن عمر جعفی ایک عظیم اور نیک انسان ہے۔'' امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس جملے کو تیس سے زیادہ مرتبہ دہرایا اور پھر کہا۔ ''اس کے گھر والے بھی ایسے ہی ہیں''۔

(حوالہ: البحار الانوار۔ جلد ۵۰ صفحہ ۳۴۰)

عبداللہ بن فضل ہاشمی روایت کرتے ہیں۔ ''میں ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ مفضل ابن عمرؓ وہاں داخل ہوئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر جیسے ہی ان پر پڑی تو آپؑ نے فرمایا: ''مفضل! خدا کی قسم میں تمہیں دوست رکھتا ہوں اور تمہارے دوستوں کو بھی دوست رکھتا ہوں۔'' اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''اگر میرے تمام اصحاب وہ معرفت رکھتے جو تم رکھتے ہو تو کبھی بھی دو افراد میں اختلاف نہ ہوتا۔''

مفضل ابن عمرؓ نے عاجزی سے عرض کیا: ''فرزند رسولؐ! میرا خیال ہے آپؑ نے میرا مرتبہ زیادہ بلند کر دیا ہے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہے۔ میں نے تو تمہیں وہی مقام دیا ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرار دیا ہے۔'' (حوالہ: البحار الانوار۔ جلد ۵۰ صفحہ ۳۹۵)

یہ تھا جناب مفضل ابن عمرؓ کی شخصیت کا ایک سرسری سا جائزہ۔ جو حضرات جناب مفضلؓ کی شخصیت، خدمات اور ان کے مقام و منزلت کے بارے میں تفصیل جاننا چاہیں وہ درج ذیل ویب

سائٹ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ www.raban.ir-1 www.andishaqom.org-2

عجیب بات یہ ہے کہ علمِ رجال کے ماہرین کے ایک گروہ نے جناب مفضل ابن عمرؒ کی درخشاں شخصیت کو بہ وجوہ دھندلانے کی کوشش کی۔جناب مفضلؒ کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کے پیچھے وہی سوچ کارفرما رہی کہ راوی کو مشکوک بنا دیا جائے تو اس سے مروی علوم آلِ محمدؐ کے بارے میں شک و شبہ پیدا کرنا مشکل نہیں ہوگا۔لیکن اس کوشش میں خاک اڑانے والوں کے اپنے چہرے خاک آلود ہو گئے اور مفضل ابن عمرؒ کی شخصیت علومِ آلِ محمدؐ کے نور سے مزید جگمگا اٹھی۔

ہمارے اس دعوے کی دلیل وہ کلام ہے جو مفضل ابن عمرؒ نے امامؑ سے نقل کیا اور جسے آپ آیندہ صفحات پر ملاحظہ کریں گے۔

اب آپ سوال کر سکتے ہیں کہ جناب مفضل ابن عمرؒ کی شخصیت سے یہ محاربانہ رویہ کیوں روا رکھا گیا؟ اس کا سبب وہ روایتی، وراثتی، مسلمان عابد و زاہد تھے جو ظاہری عبادات ہی کو مقصدِ زندگی سمجھتے تھے۔ان کے مقابلے میں مفضل ابن عمرؒ جیسا توحید پرست تھا جو فرائض کی بجا آوری اور ظاہری عبادات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ آثارِ کائنات میں غور وفکر بھی کرتا تھا۔

وہی غور وفکر جس کی دعوت قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے۔"جو لوگ اٹھتے بیٹھتے، کروٹ لیتے (غرض ہر حال میں) اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی بناوٹ پر غور وفکر کرتے ہیں اور (بے ساختہ) کہتے ہیں کہ اے اللہ (بے شک) تو نے یہ سب کچھ بے سبب پیدا نہیں کیا۔تو پاک و پاکیزہ ہے۔" (سورہ آلِ عمران آیت:۱۹۱)

احادیث کی کتابیں اسی غور وفکر کی دعوت سے بھری ہوئی ہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"ایک ساعت کا غور وفکر، ستّر سال کی عبادت سے افضل ہے۔"

ایک اور مقام پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:"جب ایک عابد جنت کے دروازے پر پہنچے گا تو فرشتے اسے خوش آمدید کہیں گے اور اسے جنت میں لے جایا جائے گا۔لیکن جب ایک عالم جنت کے دروازے پر پہنچے گا تو اسے روک لیا جائے گا۔وہ سوال کرے گا کہ مجھے کیوں روکا گیا؟ تو فرشتے کہیں گے۔"آپ کو اس لیے روکا گیا ہے کہ آپ جتنے آدمیوں کی چاہیں شفاعت کریں اور انھیں اپنے ساتھ

جنت میں لے جائیں۔'' (حوالہ: نہج الفصاحت۔ تالیف: ابوالقاسم پاینده)

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''نہ تو انھوں نے ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے انوارِ حکمت سے ضیاء حاصل کی اور نہ روشن علوم کے چقماق کو رگڑ کر نورانی شعلے پیدا کیے۔ یہ تو بس اس معاملے میں چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر'' (حوالہ: نہج البلاغہ)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''عبادت یہ نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر (طویل) نماز پڑھی جائے یا (لمبے لمبے) سجدے کیے جائیں بلکہ عبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقات پر فکر و تدبّر کیا جائے''۔ (حوالہ: اصول کافی)

جناب مفضل ابن عمرؓ اسی غور و فکر کے عادی تھے۔ اسی لیے ان کے ذہن میں کب، کیوں، کیسے جیسے سوال پیدا ہوتے تھے۔ انھی سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لیے وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اپنے علم و عمل اور دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ خاص طور پر شاید انھی سوالوں کے سبب وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو زیادہ عزیز تھے اور شاید اسی لیے اس زمانے کے بعض زاہد و عابد بزرگ اور ظاہر بیں افراد کے باطن میں مفضل ابن عمرؓ جیسے نوجوان کے لیے وہ کیفیت پیدا ہوئی جسے حَسد سے قریب تر کہا جا سکتا ہے۔ شاید یہی سبب رہا ہو کہ مفضل ابن عمرؓ جیسے خدا پرست کے ساتھ ان کا رویہ بیشتر معاندانہ ہی رہا۔

ایسا کل بھی ہو رہا تھا، آج بھی ہو رہا ہے اور آیندہ بھی ہوتا رہے گا۔ لیکن مفضل ابن عمرؓ کل بھی علم حاصل کرنے اور اسے پھیلانے میں مصروف تھے، آج بھی کہیں نہ کہیں مصروف عمل ہیں اور آنے والے زمانوں میں بھی مصروف عمل رہیں گے۔

محمد علی سیّد

امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو کا پس منظر

مفضل ابن عمرؒ کی زبانی

محمد بن سنانؒ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے مفضل ابن عمرؒ نے بیان کیا:

''میں ایک روز نماز عصر کے بعد مسجد نبوی میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے کے قریب قبرِ مبارک اور منبر کے درمیان بیٹھا تھا اور اس بات پر غور کر رہا تھا کہ پروردگارِ عالم نے ہمارے سیّد و سردار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا کیا شرف اور فضائل عطا فرمائے، جنھیں اُمّت کے تمام لوگ نہیں جانتے اور وہ آپؐ کی بعثت کے مقاصد سے (تک) لاعلم ہیں۔ زیادہ تر لوگ آپؐ کے فضل و کمال، منزلت و مراتب اور آپؐ کے بلند ترین مراتب سے آج بھی ناواقف ہیں۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دھریہ جس کا نام ابن ابی العوجا تھا، مسجد نبوی میں داخل ہوا اور مجھ سے ذرا فاصلے پر آ کر بیٹھ گیا۔ ذرا دیر گزری تھی کہ اس کے ساتھیوں (اور ہم خیال لوگوں) میں سے ایک اور شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور ابن ابی العوجا کے قریب ہی آ کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ گفتگو کا آغاز ابن ابی العوجا نے کیا اور قبر مطہر کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔ ''اس صاحب قبر نے بڑی عزت پائی۔ شرف و بزرگی کے تمام حصے اس نے حاصل کر لیے اور تمام حالات میں اس نے بڑا مرتبہ پایا۔''

اس کا ساتھی بولا۔ ''ہاں وہ (محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک فلسفی آدمی تھا۔ اس نے بڑے مرتبے کا دعویٰ کیا اور اس دعوے پر وہ معجزے لایا جنھوں نے عام عقلوں کو حیران کر دیا۔ عقل مندوں نے انہیں سمجھنے کے لیے فکر کے دریاؤں میں غوطے لگائے مگر ناکام ہی رہے۔ پھر جب عقلاء، فصحاء اور خطباء نے

اس کی دعوت کو قبول کر لیا تو تمام لوگ فوج در فوج اس کے دین میں داخل ہونے لگے۔ جن جن شہروں تک اس کی دعوت پہنچی وہاں وہاں کے عبادت خانوں اور مسجدوں میں ناموس اکبر (یعنی خدائے تعالیٰ) کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی شامل ہو گیا اور بلند آواز سے پکارا جانے لگا۔ اس میں خشکی کی تخصیص ہے نہ دریا کی، نہ پہاڑی ملکوں کی اور نہ ہموار ملکوں کی۔ یہ بلند آواز سے پکارا جانا بھی صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ ہر شب و روز میں پانچ پانچ مرتبہ۔ اذان و اقامت میں اپنا نام خدا کے نام کے ساتھ اس نے صرف اس لیے ملایا کہ ہر وقت اس کی یاد تازہ ہوتی رہے اور اس کے کام میں خلل اور کمزوری پیدا نہ ہو۔"

ابن ابی العوجا بولا۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذکر کو چھوڑو۔ اس کے معاملے میں تو میری بھی عقل حیران ہے اور میری فکر کو راستہ نہیں ملتا۔ اب اس پر سوچو کہ کس وجہ سے لوگ جوق در جوق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں داخل ہو رہے ہیں؟ یعنی "پروردگار عالم" کے بارے میں بتاؤ کہ آخر وہ بھی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟"

مفضل ابن عمرؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابن ابی العوجا نے اشیائے عالم کی ابتداء پر بات کرنا شروع کی اور کہنے لگا کہ یہ سب چیزیں کس طرح بنیں۔ اس نے اس بات پر بھی خاص زور دیا کہ یہ سب چیزیں کسی نے نہیں بنائیں۔ ان کا کوئی بنانے والا اور مدبّر و مصلح نہیں بلکہ یہ خود بہ خود پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ یہ دنیا اسی طرح چلتی آئی ہے اور اسی طرح چلتی رہے گی۔

مفضل ابن عمرؒ کہتے ہیں کہ ان (یعنی ابن ابی العوجا وغیرہ) کی یہ گستاخانہ گفتگو سن کر میں اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے ان کو ڈانٹا اور کہا۔ "اللہ کے دشمنو! اللہ کے دین کا انکار کرتے ہو؟ تم اس ذاتِ خالق کا انکار کرتے ہو جس نے تمھیں اس اچھی صورت پر پیدا کیا اور تمہارا بنیہ قرار دیا (یعنی تمہیں بہترین ساخت پر پیدا کیا) اور تمھیں ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل کرتا رہا (یعنی تم نہیں تھے اور پھر ہو گئے۔ پھر بچے سے جوان ہوئے) یہاں تک کہ تم اس حالت میں پہنچے۔ اگر تم اپنے نفس (وجود) ہی پر غور کرتے اور تمہارا نفیس حاسّہ (یعنی عقل اور ذہن) تمہارے ساتھ صداقت برتتا تو اللہ کی ربوبیت کے آثار اور اس کی خلاّقیت و صنّاعیت کے دلائل تمہیں اپنے نفس ہی میں موجود نظر آتے

اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کے شواہد و براہین تم پر واضح ہو جاتے۔''

ابن ابی العوجا نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ''مفضل! دیکھو اگر تم میں اس موضوع پر تفصیل سے بات کرنے کی صلاحیت ہے تو ہم سے بات کرو۔ اگر تمہارے پاس خدا کے ہونے کی کوئی مستحکم دلیل ہوئی تو ہم اسے ضرور مان لیں گے اور اگر تم اہلِ کلام میں سے نہیں ہو تو اس موضوع پر بولنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔

(جیسا کہ ہم جانتے ہیں) تم اگر جعفر صادق کے اصحاب میں سے ہو تو مفضل، ان کا طرز کلام تو ایسا نہیں ہے جیسی گفتگو تم نے کی ہے، ایسی گفتگو وہ نہیں کرتے اور نہ اس طرح کی دلیل پر ہم سے بحث کرتے ہیں۔ انھوں نے ہماری (اس طرح کی) باتیں اس سے بھی زیادہ سنی ہیں جو تم نے سنی ہیں لیکن نہ انھوں نے کبھی غصہ کیا اور نہ جواب دینے میں یہ لب و لہجہ اختیار کیا۔ وہ تو بہت ہی بردبار، باوقار، دانش مند اور پختہ عقل کے انسان ہیں۔ نہ کبھی غصہ کرتے ہیں اور نہ سختی۔ وہ ہماری باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں اور ہم سے ہمارے عقیدے کے حوالے سے مزید دلائل معلوم کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ جب ہم اپنے دلائل مکمل کر لیتے ہیں اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہم نے انھیں لاجواب کر دیا تو عین اسی وقت وہ ہماری طویل دلیلوں کو اپنے ایک مختصر سے جملے اور ایک چھوٹی سی دلیل کے ذریعے باطل کر دیتے ہیں۔ ہم پر ان کی حجت قائم ہو جاتی ہے۔ وہ ہمارے عذر کو قطع کر دیتے ہیں۔ ہم ان کی مختصر سی دلیل کا جواب دینے سے بھی خود کو معذور اور بے بس پاتے ہیں۔ ہم ان کے جواب کو رد نہیں کر سکتے (اور ان کا منہ تکتے رہ جاتے ہیں)۔ تو مفضل اگر تم اُن کے اصحاب میں سے ہو تو ان کی طرح بات کرو'' (ورنہ اپنی راہ لو۔)

مفضل ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کی باتیں سن کر میں مسجد نبوی سے بہت غم زدہ اور فکر مند باہر نکلا کہ دین اسلام اور اہل اسلام اس فرقے (یعنی خدا کو نہ ماننے والوں) کی وجہ سے کیسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ یہ (عجیب) لوگ ہیں کہ اللہ ہی کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ سب کچھ خود بہ خود ہی پیدا ہو گیا ہے۔

میں اسی حالت میں اپنے آقا صلواۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے مجھے اس شکستہ حال میں دیکھا تو فرمایا: ''کیا ہوا مفضل!'' (خیریت تو ہے)

مفضلؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان دہریوں کی جو باتیں سنی تھیں اور جس جس دلیل سے ان کے کلام کو رد کیا تھا، وہ سب تفصیل آقا صلواۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان کر دی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے میری باتیں سن کر مجھ سے فرمایا: (مفضل تم فکر نہ کرو) ''میں تمہیں باری تعالیٰ جلّ عَزَّاِسمَہُ کی وہ حکمتیں بتاؤں گا جو تمام عالم اور درندوں، چوپائیوں، پرندوں، کیڑے مکوڑوں اور ہر قسم کے جانداروں خواہ وہ حیوان ہوں یا نباتات، پھل دار درختوں، عام پیڑ پودوں، غذا میں استعمال ہونے والی سبزیوں اور دوسرے نباتات میں موجود ہیں۔ میں تمھیں اثباتِ وجودِ خدا پر ایسے مستحکم دلائل کی تعلیم دوں گا اور ایسی باتیں بتاؤں گا جس سے عبرت حاصل کرنے والے سبق حاصل کرسکیں۔ ایمان والوں کے دلوں کو اطمینان قلب حاصل ہو اور اللہ کا انکار کرنے والے حیران وششدر رہ جائیں۔ تم کل صبح سویرے میرے پاس آجانا۔''

مفضل ابن عمرؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ سن کر (میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا) میں نہایت خوش و خرم امام علیہ السلام کی خدمت سے واپس آیا (میرے لیے صبح کا انتظار کرنا مشکل ہو رہا تھا) مجھے وہ رات بہت طولانی محسوس ہوئی۔ رات بھر بے تاب رہا کہ صبح ہو اور میں وہ دلائل و معلومات امام علیہ السلام سے حاصل کروں، جن کا حضرتؑ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔

صبح ہوئی تو میں درِ دولت پر حاضر ہوا۔ باریابی کی اجازت ملنے کے بعد میں زیارت سے مشرف ہوا اور باادب کھڑا رہا۔ آپؑ نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا تو میں مودّب ہو کر بیٹھ گیا۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کمرے کی طرف بڑھے جہاں اکثر تخلیہ فرمایا کرتے تھے۔ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ آپؑ نے فرمایا: ''آجاؤ......'' میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا۔ آپؑ اس مخصوص کمرے میں داخل ہوئے اور وہاں تشریف فرما ہوئے اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ میں دوزانو ہو کر آپؑ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؑ نے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا: گویا

میں دیکھ رہا ہوں انتظار کے سبب گزشتہ رات تمہیں بہت طولانی معلوم ہوئی!

میں نے عرض کی۔ ''جی آقاؑ ایسا ہی ہے۔''

نوٹ: اس کے بعد جناب مفضل مسلسل تین روز تک امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے یہ تین لیکچرز ''توحید مفضل۔سائنسی تشریحات کے ساتھ'' کے ساتھ قرآن اینڈ سائنس فاؤنڈیشن پاکستان کی جانب سے 2010ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ لیکچرز ہمارے فیس بک پیج پر بھی موجود ہیں۔ قارئین ان لیکچرز کو فیس بک پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ چوتھی کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے چوتھے دن کے لیکچر پر مشتمل ہے۔

باب 1:

آغازِ گفتگو

چوتھے دن جناب مفضل ابن عمرؓ بعد نمازِ فجر اپنے آقا و مولا امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام بجا لائے۔ جوابِ سلام کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُنھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مفضل ابن عمرؓ نے جب اپنا قلم اور کاغذ نکال لیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی حکمتیں

"مفضل! میں تمہارے سامنے اس کائنات اور اس میں موجود ہر شے کے عدم سے وجود میں آنے کے دلائل بیان کر چکا ہوں۔ میں نے تمہارے سامنے اس بات کے بھی شواہد پیش کیے ہیں کہ ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کے مقصدِ تخلیق کے مطابق صلاحیتوں کے ساتھ، اپنے ارادے سے پیدا کیا ہے۔ ہر شئے اللہ تعالیٰ کے طے شدہ منصوبے کے مطابق خلق کی گئی ہے۔

میں انسان، حیوانات، نباتات اور زمین آسمان کی خلقت اور ان میں موجود اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ (مجھے یقین

ہے کہ) میرا یہ بیان عبرت ونصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے، عبرت حاصل کرنے کا سبب ہوگا۔"

آفات وحادثات

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اب میں تمہارے سامنے ان آفات و حوادث کے بارے میں بات کروں گا (جو نظامِ قدرت کا حصہ ہیں اور) اکثر واقع ہوتے رہتے ہیں۔ کم عقل اور جاہل لوگوں نے ان آفات وحوادث کو اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی قدرتِ کاملہ کے بے مثال نمونوں سے انکار کا ذریعہ بنالیا ہے۔

(ان کا کہنا ہے کہ) اگر اس کائنات کا کوئی خالق ہے جس نے اسے بہترین تقدیر، منصوبے اور ایک مقصد کے ساتھ خلق کیا ہے تو اس کی مخلوقات پر آئے دن یہ طرح طرح کی مصیبتیں کیوں آتی رہتی ہیں یعنی اگر اس کائنات اور ان مخلوقات کا کوئی خالق ہوتا تو وہ ان آفات (مثلاً زلزلوں، بیماریوں، آتش فشاں، سیلاب وغیرہ) کو یقیناً روکتا۔ اس بات سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے یہ خود ہی وجود میں آئی ہے اور خود ہی اپنے بل بوتے پر قائم ہے۔

مفضل! میں معطّلہ اور مانو یہ فرقے کے گمراہ کن عقائد پر بھی بات کروں گا جو دنیا میں انسان پر آنے والے مصائب و مشکلات اور

ناگوار باتوں کے ساتھ موت اور فنا کو ناپسندیدہ چیز سمجھتے ہیں۔ میں اپنی گفتگو میں طبیعت (Nature) کو ماننے والوں کے نظریات پر بھی بات کروں گا جن کا خیال ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس کی تمام اشیاء خود بہ خود پیدا ہوگئی ہیں، ان کا کوئی خالق نہیں ہے.... تاکہ ان کے کلام کو (عقلی بنیادوں پر) رد کیا جاسکے۔"

"اللہ انہیں قتل کرے یہ کہاں بہکے جارہے ہیں۔" (القرآن)
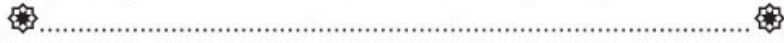
نوٹ: امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور

امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں آپس میں نبرد آزما تھیں۔ بنوامیہ کا دور ختم ہورہا تھا، بنوعباس طاقتور ہورہے تھے۔ بعد میں سخت خونریزی کے بعد بنوعباس نے مسندِ اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ اسلام میں مَلوکیّت کے بعد قائم ہونے والی بیشتر حکومتوں اور حکمرانوں کا مقصد اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا تھا۔

وہ ہر قیمت پر اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے ان کے زیرِ تسلط علاقوں میں حکمرانوں کے خلاف بولنا قابلِ گردن زنی جرم تھا۔ اس کے برعکس دینی عقائد کے بارے میں جس کا جو دل چاہے وہ کہہ سکتا تھا۔

اسی سبب سے مسلمان کے درمیان سب سے زیادہ فرقے "آزادیٔ اظہار" کے اسی دور میں پیدا ہوئے۔ ان فرقوں کی فہرست کافی طویل ہے۔ معطّلہ، مانویہ اور طبیعت (یعنی نیچر) کو "خدا" سمجھنے والے فرقے جن کی طرف امامؑ نے اشارہ فرمایا، اسی دور کی پیداوار تھے یا دین اسلام سے پہلے موجود تھے جنہیں اس زمانے میں پھلنے پھولنے کے مواقعِ فراہم کیے گئے۔ ان فرقوں کے پیروکاروں کو خداوندِ تعالیٰ کے بارے

میں اپنے گمراہ کن عقائد کا اظہار کرنے کی مکمل آزادی تھی کیونکہ مسلمان حکمرانوں کے نزدیک دین اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کے عقیدہ توحید میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں۔ مسلمان ظاہر بہ ظاہر مسلمان رہیں لیکن صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہ سکیں۔

اللہ سے انکار کا ذریعہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! (ان فطری عوامل کو) جو آفات کی صورت میں سامنے آتے ہیں، ان جاہل انسانوں نے اللہ کے وجود کے انکار کا ذریعہ بنالیا ہے۔ مختلف قسم کی وبائیں، (زلزلے، طوفان)، یرقان (جیسی بیماریاں)، اولے یا ٹڈیوں کے حملے وغیرہ سے بڑے پیمانے پر جانی یا مالی نقصان ہوتا ہے، اسی لیے ان حوادث کو دلیل بنا کر، گمراہ لوگ مخلوق کے عدم سے وجود میں آنے، خالق کے ہونے اور خالق کی تدبیر و مصلحت کے ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

(اگر انہوں نے ان آفتوں اور بلاؤں کے آنے کی وجہ سے اللہ کے وجود کا انکار کیا ہے) تو ان سے پوچھا جائے کہ اگر (تمہارے خیال میں) اس کائنات، اس دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے، کوئی اس کے انتظامات کو دیکھنے والا نہیں ہے، کوئی اس عالم (دنیا) کے معاملات کی تدبیر کرنے والا نہیں ہے تو اس سے زیادہ سخت آفتیں

کیوں نہیں آتیں؟

مثلاً آسمان زمین پر گر پڑے، ساری زمین (کی بیرونی سطح اندر) دھنس جائے۔ سورج ہی طلوع نہ ہو، دریا ندی نالے بالکل خشک ہوجائیں، پینے کا پانی ہی غائب ہوجائے، ہوا تھم جائے اور ہوا کے نہ ہونے سے تمام اشیا گل سڑ جائیں۔ سمندروں کا سارا پانی خشکی پر بہہ کر آجائے اور زمین کو غرق کردے۔"

نوٹ: وہ آفتیں جو کسی بھی وقت آسکتی ہیں مگر نہیں آتیں

پتھروں کی بارش

ہماری زمین کے اردگرد، ہر وقت طرح طرح کے ہزاروں خطرات منڈلاتے رہتے ہیں۔ پتھروں کی بارش ان میں سے ایک ہے اس کا مطلب ہے کرہ ارض سے زندگی کا خاتمہ۔ یہ آفت خلاء میں تیرتے ہوئے ہزاروں چٹانی ٹکڑوں کی وجہ سے آسکتی ہے۔ ان چٹانی ٹکڑوں کو آسٹرورائیڈز (ASTEROIDE) کہا جاتا ہے یہ ٹکڑے ایک فٹ سے ایک ہزار میل تک لمبے چوڑے ہیں اور اکثر ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹتے اور جڑتے رہتے ہیں۔

سائنس دان ان سیارچوں کو زمین کے لیے بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے اگر ایک درمیانی سائز کا ٹکڑا بھی زمینی فضاء سے گزر کر زمین پر گر جائے تو سیکڑوں ایٹم بموں جیسی تباہی پھیلا سکتا ہے۔ اس کے گرنے سے آسمانی فضا کا ایک حصہ غائب ہو کر خلاء میں گم ہوسکتا ہے۔ اس کے سبب زمین سے آکسیجن غائب ہوسکتی ہے، سونامی اور شدید طوفان آسکتے ہیں۔

(حوالہ: How Earth Works)

کشش ثقل کا کم یا ختم ہو جانا:

یہ سانحہ کسی بھی لمحے رونما ہو سکتا ہے مگر نہیں ہوتا۔ اگر زمین کی کشش ثقل کم ہو جائے تو زمین پر موجود ہر شئے مثلاً انسان، حیوان، پیڑ، پودے، عمارتیں، تمام سائنسی آلات، تمام ہتھیار اور سب سے بڑھ کر پانی اور ساری دھاتیں زمین سے اُٹھ کر خلاء میں کہیں غائب ہو جائیں گی۔ زمین کے اردگرد یہ نیلا آسمان، یہ فضائیں اور موسم بھی کشش ثقل کے سبب برقرار رہتے ہیں۔ کشش ثقل کے کم ہوتے ہی یہ ساری فضائیں اور ہوائیں بھی زمین کے اردگرد سے غائب ہو جائیں گی اور زمین سے زندگی کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

(حوالہ: How Universe Works)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

''کیا تم اس (اللہ) سے جو آسمان میں حکومت کرتا ہے۔ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ پھر یکبارگی اُلٹ پلٹ کرنے لگے۔ یا تم اس بات سے (بھی) خوف نہیں کھاتے کہ جو آسمان میں (بھی حکومت) کرتا ہے تم پر پتھر بھری آندھی چلائے، تو بہت جلد (تمہیں) معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟''۔ (سورہ ملک، آیت ۱۶۔۱۷)

ان سے پوچھو

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! ان سے پوچھو کہ ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ ایسا ہونے سے کس

نے روکا ہوا ہے، اس پردۂ غیب میں کون ہے جس کی تدبیر اور حکم چل رہا ہے۔ (ان سے پوچھا جائے کہ) جب تم کہتے ہو کہ اگر (اس دنیا) کا خالق مدبر ہوتا تو اس قدر ٹڈیاں (فصلوں پر) حملہ آور نہ ہوتیں اور ہمارا اتنا نقصان نہ ہوتا۔ اتنی وبا نہ پھیلتی کہ بیماری سے لاکھوں جانوں کو نقصان ہوتا۔ اولے نہ گرا کرتے اور کھڑی فصلیں تباہ نہ ہوتیں۔

تو اگر یہ واقعی صحیح ہے کہ ایسا کسی خالق اور مدبر کے نہ ہونے کے سبب ہورہا ہے تو (کبھی اس سے بڑھ کر بھی ہوتا مثلاً) آسمان ہی ایک مرتبہ پھٹ پڑتا اور ساری دنیا فنا ہوجاتی۔ سمندر اس طرح ابلتا کہ ساری زمین زیر آب آجاتی۔ ہوا بالکل ہی بند ہوجاتی اور تمام ذی حیات چند لمحوں میں مردہ ہوجاتے۔ تو ایسا کیوں نہیں ہوتا؟

کوئی مدبر موجود ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مفضل! اس بات کو سمجھو کہ ایسا اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کائنات، اس زمین و آسمان کا مدبر اور اس کے نظام کو چلانے والا موجود ہے جو تباہی و بربادی کو بھی ایک حد میں رکھتا ہے۔ زمین و آسمان کا (وہی) خالق و مدبر ایسا نہیں ہونے دیتا کہ تمام عالم فنا نہ ہوجائے، ذی حیات کی نسلیں منقطع نہ ہوں۔ آفت و مصیبت ایک حد تک رہے یہ عالم مکمل تباہی سے محفوظ رہے۔ یہ آفتیں بلائیں اور حادثات اکثر رونما ہوتے رہتے ہیں

تا کہ انسانوں کی تنبیہ کی جائے، انہیں خوف دلایا جائے۔"

نوٹ: اعمال کا بدلہ

ایسا اکثر انسانوں کے اپنے اعمال کے فطری ردِ عمل کے سبب بھی ہوتا ہے کہ کوئی بیماری وبائی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یا (انسان کی ماحول دشمن) سرگرمیوں اور بڑھتی ہوئی انسانی آبادی سے زمین کے ماحولیاتی توازن میں بگاڑ کے سبب سونامی اور طوفان آتے ہیں۔ ایسی صورت میں بارشیں ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں یا بالکل نہیں ہوتیں اور کچھ علاقے قحط سالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس زمین و آسمان کا کوئی خلق کرنے والا اور ان کا انتظام کرنے والا موجود نہیں ہے۔

آفتیں ہمیشہ نہیں رہتیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! تم اس بات پر بھی تو غور کرو کہ یہ وبائیں، یہ ٹڈیوں کا حملہ یا دوسری آفتیں ہمیشہ نہیں رہتیں کہ سارا عالم فنا ہو جائے۔ یہ آفات و حادثات کبھی کبھی رونما ہوتے ہیں اور جلد ہی ختم بھی ہو جاتے ہیں"۔

زمین و آسمان کی حفاظت کرنے والا موجود ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمام بڑی بڑی آفات سے اس دنیا اور اس

میں رہنے والوں کی حفاظت کی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اس دنیا پر آجائے تو ساری دنیا نیست و نابود ہو جائے۔ البتہ بعض معمولی آفتیں محدود پیمانے پر آتی رہتی ہیں اور وہ بھی جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں اس لیے آتی ہیں کہ انسانوں کی تادیب اور اصلاح کی جائے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی آفت ہمیشہ کے لیے ٹھہر جائے۔

جب لوگ اس طرح کی آفتوں سے مایوس ہو جاتے ہیں تو آفتیں ان سے دور کر دی جاتی ہیں۔

لہٰذا ان مصائب کا واقع ہونا، ان کے لیے ایک موعظہ (عبرت و یاددہانی) ہے اور ان کا دور ہو جانا، ان کے لیے اللہ کی رحمت ہے''۔

نوٹ: آپ دیکھیں کہ امامؑ نے کس خوبصورتی کے ساتھ ثابت کیا کہ ایک خالق، مدبر کائنات کے ہونے کی دلیل وہی ہے جسے گمراہ لوگ خدا کے نہ ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کر رہے تھے۔

باب:2

مصائب ومشکلات کی حکمت

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! جس طرح مانویہ فرقے والوں نے زندگی میں پیش آنے والی مشکلات وحوادث اور مصائب کو ناپسندیدہ جانا اور انہیں خالق ومدّبر کے نہ ہونے کی دلیل بنالیا اسی طرح معطّلہ فرقے کے لوگوں نے بھی ان (بظاہر ناگوار) باتوں کو بیکار اور فضول سمجھا۔

دونوں فرقے اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر اس عالم (یعنی زمین اور آسمان) کا کوئی خالق ہوتا اور وہ رؤف ورحیم بھی ہوتا تو دنیا میں اس کے بندوں پر یہ مصائب (بیماریاں وحادثات) نہ آتیں۔

کوئی مشکل ہی نہ آتی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

(بے سوچے سمجھے) اسی طرح کی باتیں کرنے والے دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مناسب یہ ہوتا کہ دنیا میں انسانوں کی ساری زندگی بےفکری کے ساتھ گزرا کرتی۔ ان کی زندگی میں کبھی کوئی پریشانی یا مشکل نہ آتی۔

مثلاً زندگی میں ہمیشہ خوشحالی، مال ودولت کی فراوانی رہتی۔

کبھی کوئی شخص بیمار ہی نہ پڑتا اور نہ کسی کی زندگی میں کوئی حادثہ مصیبت یا نقصان پیش آتا۔ عزت وشہرت اور ناموری ہمیشہ برقرار رہتی۔ نہ کوئی دشمن ہوتا اور نہ کوئی مدِّ مقابل اور نہ کبھی کسی کو موت آتی۔

"مفضل! زندگی میں اگر اس طرح ہوا کرتا تو یہ بات نہ انسان کی دنیا کے لیے بہتر ہوتی اور نہ اس کی آخرت کے لیے سودمند۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ پُرآسائش زندگی گزارنے والے لوگ جو بچپن ہی سے دولت کی ریل پیل دیکھتے ہیں اور ان کی پرورش بڑے ناز ونعم کے ساتھ ہوتی ہے تو ان کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔

لوگ اپنا آدمی ہونا ہی بھول جاتے ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ان میں سے بعض تو اپنا آدمی ہونا ہی بھول جاتے ہیں اور اکثر انہیں یہ بات بھی یاد نہ رہتی کہ کوئی ہے جو اُن کی پرورش و پرداخت کر رہا ہے۔ (یعنی یہ بات ان کے دماغ سے نکل جاتی ہے کہ کوئی ذات ہے جس نے انہیں زندہ رکھا ہوا ہے)۔ انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فکر لاحق ہی نہ ہوتی کہ آیندہ کبھی انہیں کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے، مستقبل میں کوئی بلائے ناگہانی انہیں گھیر سکتی ہے۔

کسی غریب و ناتواں پر رحم کھانا یا اس کی مدد کرنا یا کسی بیمار کی تکلیف انھیں دوسروں کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ کسی کے غم کو بانٹنا، کسی کی عیادت کرنا، انہیں یاد ہی نہیں آتا۔

جب خود پر مصیبت پڑتی ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لیکن (موجودہ نظام کے مطابق) جب خود ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے، وہ خود کسی آفت میں مبتلا ہوتے ہیں، خود انہیں تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے (تو بے قرار ہو جاتے ہیں) لیکن اس وقت بھی وقتی طور پر کچھ (ہی لوگ) نصیحت پکڑتے ہیں، پہلے دوسروں کی تکلیف سے جس قدر ناواقف تھے (خود تکلیف سے گزرنے کے بعد) ،اب کسی قدر واقف ہو جاتے ہیں، ایسے کام کرنے لگتے ہیں جن کا کرنا ان کے لیے پہلے ہی ضروری تھا۔

اگر ایسے لوگوں کو مشکلات میں مبتلا نہ کیا جاتا تو وہ ساری زندگی غرور تکبر کے ساتھ بسر کرتے۔ تم خود سوچو کہ کیا ایسا ہونا ان کے لیے مناسب تھا؟ نہیں ہرگز نہیں! لوگ اگر اس طرح متکبر ہوتے تو اس سے دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی خرابیاں بھی واقع ہوتیں۔ لوگ ان سے نفرت کرنے لگتے۔ ان کے دشمن ہو جاتے۔ اس کے علاوہ ایسے خود پسند اور متکبر لوگوں کی وجہ سے صنعت، تجارت، علم و عمل اور دوسرے معاملات میں خلل واقع ہوتا۔"

نوٹ: بے فکری کی زندگی

دنیا میں شاید ہی کوئی انسان ہو جو اپنی زندگی میں تکلیف، مشکل، بیماری یا کسی قسم کی رکاوٹ کو پسند کرتا ہو۔ ہر انسان کم از کم اپنی مشکل کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ دوسروں پر جو گزرے اُس پر زبانی افسوس تو کر سکتا ہے لیکن دوسرے کی مشکل کو اس طرح محسوس نہیں کرتا، جس طرح تکلیف میں مبتلا شخص اپنی مشکل

کومحسوس کرتا ہے۔اسی لیے کسی دوسرے کی مشکل سن کر انسان کا ردِعمل بھی معمولی نوعیت کا ہوتا ہے۔

لیکن ان سب باتوں سے قطعِ نظر اس دنیا کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ اچھے برے حالات ایک طرف سے دوسری طرف حرکت کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص چاہے وہ بادشاہ ہو یا فقیر، اپنے اردگرد موجود وسائل پر مکمل بھروسا نہ کرنے لگے۔ دولت مند یہ نہ سمجھے کہ یہ مال و دولت، یہ اقتدار یہ حکومت ہمیشہ اسی طرح اس کے پاس رہے گی۔ اور مفلس آدمی یہ سمجھ کر مایوس نہ ہو جائے کہ اس کی یہ ناداری ہمیشہ رہے گی اور وہ ہمیشہ اسی غربت کے عالم میں زندگی بسر کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی اس حکمت عملی کے سبب ہر انسان یقین اور بے یقینی کے عالم میں رہتا ہے اور اسی کے سبب ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ اور سرکشی و تکبّر سے بچا رہتا ہے۔

دنیا کے حکمران

ہم دنیا کے بادشاہوں کے حالات میں دیکھتے ہیں کہ صاحبانِ سلطنت اور طاقتور لوگ اپنے جرائم کو چھپانے کے لے مذہب کا لبادہ ضرور اوڑھتے ہیں لیکن انہیں دین و مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ مسلمان بادشاہوں کا حال بھی اس سے مختلف نہیں رہا۔ مسلمان بادشاہوں نے مسلمان معاشرے میں اسلام ہی کے نام پر اسلامی تعلیمات کو مسخ کیا۔ دین و شریعت میں اپنی ضرورت کے مطابق ترمیم و تنسیخ کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا پابند کر دیا۔ اس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوئیں جن کی وضاحت کے لیے کتابیں لکھی جائیں تو وہ بھی کم پڑیں گی۔

مثال کے لیے مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کا نام پیش کیا جا سکتا ہے جس کے لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک وقت کی نماز قضا نہیں کی اور ہوسِ اقتدار میں ایک بھائی کو زندہ نہیں چھوڑا۔ اورنگزیب عالمگیر نے ایک کتاب بھی مسلمانوں میں رائج کی جسے ''فتاویٰ عالمگیری'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح کے متکبر افراد کے اس طرزِ عمل نے اسلامی معاشرے میں ماحول، کاروبار، معیشت اور انسانی رویوں سمیت معاشرے کی ہر شعبے کو متاثر کیا۔ امامؑ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ناگوار باتوں سے بیزاری

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مُفضل! جو لوگ زندگی میں ناگوار باتوں کو برا سمجھتے ہیں اور ان مشکلات، مصائب اور بیماریوں کو بے سبب سمجھتے ہیں، ان کی مثال ان بچوں جیسی ہے جو بیماری دور کرنے والی لیکن کڑوی اور بدمزہ دواؤں سے نفرت کرتے ہیں۔ بعض ادویات کے کھانے اور بعض مزیدار چیزوں سے پرہیز کی ہدایت پر ناراض ہو جاتے ہیں۔ ادب اور تہذیب سیکھنے کے لیے (بزرگوں کی) روک ٹوک کو برا سمجھتے ہیں۔ لغو اور بیہودہ باتوں میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ لغو اور بیہودہ باتیں ان کے لیے کس قدر نقصان دہ ہیں اور ان سے ان کی زندگی میں کیا خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں؟

بظاہر لذت دینے والے اعمال ان کی صحت اور زندگی کے لیے کس قدر نقصان دہ ہیں؟ اس بات کو وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ علم سیکھنے میں کیا فائدے ہیں۔ جاہل رہنے کے کیا نقصانات ہیں۔ دواؤں میں کیا فوائد ہیں اور بری چیزوں سے پرہیز سے انہیں کیا فائدے حاصل ہو سکتے ہیں'' (اس پر وہ غور ہی نہیں کرتے)۔

ایسا کیوں نہ ہوا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرنے والے اگر یہ کہیں کہ ایسا بھی تو ہوسکتا تھا کہ انسان میں گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہوتی۔ نہ وہ گناہ کرتا اور نہ اسے مصائب ومشکلات سے گزرنا پڑتا۔

اس کے جواب میں ان سے کہا جائے گا کہ ہاں اللہ چاہتا تو ایسا ہوسکتا تھا لیکن یہ دنیاوی زندگی دراصل ایک آزمائش یا امتحان کی طرح ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان نہ تو نیکی کرنے پر قابل تعریف ہوتا اور نہ اچھے کام کا اسے کوئی اجر وثواب ملتا۔

پھر اگر وہ (یعنی دہریے) کہیں کہ جب انسان پوری زندگی لذت وآسائش کے ساتھ گزارتا رہتا تو اس کا نقصان ہی کیا ہوتا کہ نیکی کرنے پر اسے قابلِ ستائش سمجھا جائے اور اسے ثواب حاصل ہو''

گمراہ کن خیالات

امام جعفر صادق علیہ السلام دہریوں یا آخرت کا یقین نہ رکھنے والے گمراہوں کے خیالات سے واقف تھے کیوں کہ اس طرح کی گمراہ کن گفتگو اسلامی معاشرے میں عام تھی۔ آپؑ جانتے تھے کہ وہ آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتے کہ جزا اور سزا کی فکر کریں۔ اسی لیے آپؑ نے ان کے شیطانی خیالات کا تذکرہ فرمایا لیکن جواب کے لیے قرآن مجید سے کوئی استدلال پیش نہیں کیا بلکہ اپنے دلائل عقلی بنیادوں اور روزمرہ کی زندگی سے پیش فرمائے۔
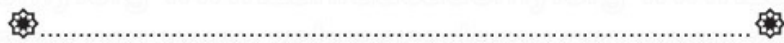
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''دیکھو مفضل! (یہ لوگ جس آسائش بھری زندگی کے خواہش مند ہیں) تو اس بات کو کسی بھی صحیح العقل اور صحت مند آدمی کے سامنے پیش کرو۔ اس سے کہو کہ اسے تمام آسائشیں پیش کر دی جائیں گی، وہ بس ایک جگہ بیٹھا رہے۔ بالکل ہاتھ پیر نہ ہلائے، کوئی کام خود نہ کرے، اسے کسی کوشش یا جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ وہ بس ایک جگہ بیٹھا آسائشوں سے لذت حاصل کرتا رہے۔ اسے ہر چیز بغیر کوشش کے بلا استحقاق ملتی رہے گی۔

تم دیکھو گے کہ وہ اس بات کو قبول نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس وہ اس تھوڑی چیز کے حصول پر خوش ہوگا جو اس کی ذاتی محنت اور جدوجہد سے حاصل ہو۔ اس کم چیز کو حاصل کر کے وہ زیادہ خوشی محسوس کرے گا بہ نسبت ان بہت سی آسائشوں کے جو بغیر کسی کوشش اور بلا کسی استحقاق کے اسے دے دی جائیں۔''

نوٹ: حرکت اور کوشش

حرکت، کام، جدوجہد یا کوشش انسان کی فطرت میں شامل ہے اسی لیے انسان بیکاری سے نفرت کرتا ہے اور خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھتا ہے۔ اگر وہ مصروف نہ رہے تو بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ بیماری جسمانی بھی ہو سکتی ہے اور نفسیاتی بھی۔

یورپ اور امریکا کے بہت سے دولت مند افراد جنہیں ہر طرح کی دنیاوی آسائشیں میسر ہوتی ہیں اور خود کو مصروف رکھنے کے لیے ان کے پاس کام نہیں ہوتا وہ عجیب و غریب ذہنی امراض میں مبتلاء

ہوجاتے ہیں وہ خود کو مصروف رکھنے کے لیے ایب نارمل رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ پھٹے پرانے کپڑے جوتے پہنتے ہیں، منشیات کا استعمال کرتے ہیں، پُرآسائش زندگی کو چھوڑ کر سڑکوں پر سوتے ہیں، پارکوں میں زندگی گزارتے ہیں۔ان کا یہ ایب نارمل رویہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ آسائش بھری زندگی سے بیزار ہو چکے ہوتے ہیں۔

نیشنل جیوگرافک چینل کے ایک پروگرام میں ہم نے امریکا کے ایک بڑے بزنس مین کی نفسیاتی بیماری پر ایک دستاویزی فلم دیکھی۔ یہ بزنس مین ہر سال کئی ماہ کے لیے اپنی پُرآسائش زندگی کو چھوڑ کر اچانک گھر سے غائب ہوجاتا ہے، معمولی لباس پہنتا ہے، مال گاڑیوں کے خالی ڈبوں میں چھپ کر ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کرتا ہے، ہوٹلوں کے بجائے کوڑے دانوں سے پرانا باسی کھانا یا پھل چن چن کر کھاتا ہے، جنگلوں ویرانوں میں وقت گزارتا ہے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ اس کی ذہنی بیماری کا سبب اس کی پُرآسائش زندگی ہے۔
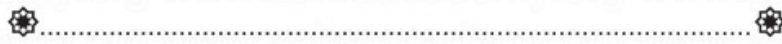
دوطرح کی نعمتیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے دنیا کی آسائشوں اور آخرت کی نعمتوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے فرمایا:

"مفضل! دیکھو جس طرح دنیا میں ان نعمتوں کے حصول میں خوشی حاصل ہوتی ہے جنہیں کوشش اور جدوجہد کے بعد حاصل کیا گیا ہو، اسی طرح آخرت کی نعمتیں جب کوشش اور محنت کے بعد انسانوں کو ملیں گی تو انہیں ان نعمتوں کی قدر ومنزلت کا احساس بھی زیادہ ہوگا۔

(نعمتیں دوطرح کی ہیں) ایک نعمت یہ کہ اسے نعمتیں حاصل کرنے کا راستہ بتا دیا گیا۔ وہ اپنی کوشش سے اس راستے کو

اختیار کرے اور اس کوشش سے جو حاصل کرے اس چیز سے بھرپور خوشی محسوس کرے۔ دوسری نعمت یہ کہ اس کی جدوجہد پر اس کے لیے بہت بڑا اجروثواب رکھا گیا ہے۔''

نوٹ: دو عظیم نعمتیں

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو ایک عظیم الشان خزانے تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں خزانہ حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا جائے۔ اگر صرف خزانے کا تذکرہ کیا جائے اور اس تک پہنچنے کا راستہ اور خزانے کو حاصل کرنے کے لیے مطلوبہ طاقت/ وسائل/ آلات فراہم نہ کیے جائیں تو یہ ایک بے معنی اور بے سود بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے کسی بے معنی بات کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔

یہ نعمتیں کیا ہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مُفضل سنو! وہ دو نعمتیں ہیں، نعمتیں حاصل کرنے کا راستہ اور طریقہ۔ اس سے مراد وہ نیک اعمال ہیں جن کا ثواب بھی بتا دیا گیا ہے۔ اور انہیں سرانجام دینے کے لیے اعضاوجوارح بھی انسان کو عطا کر دیے گئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان اعمال کے سرانجام دینے کا طریقہ اور ہر نیک عمل کا ثواب بھی بتا دیا گیا ہے۔''

(مثلاً اگر ہمیں یہ نہ بتایا جاتا کہ نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے؟ روزہ کب کس وقت سے کس وقت تک رکھا جاتا ہے تو ہم ثواب

کے ان خزانوں تک کس طرح پہنچ سکتے تھے!)

انسان قدر ہی نہ کرتا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل دیکھو! جو نعمتیں آخرت میں انسان کو گناہوں سے بچتے رہنے اور نیک اعمال کے سرانجام دینے کے لیے کوشش اور جدوجہد کرنے، مواقع موجود ہونے کے باوجود حرام سے بچنے کی وجہ سے ملیں گی وہ اس کے لیے زیادہ قابل قدر ہوں گی کہ یہ بندے کی اپنی کوشش سے حاصل ہوئی ہوں گی۔ اگر معاملہ ایسا ہوتا کہ آخرت کی نعمتیں ہر نیک و بد کو کسی استحقاق کے بغیر ملتیں تو انسان ان کی کوئی قدر ہی نہ کرتا۔"

نوٹ: دنیا کی نعمتیں

نعمتوں کی ناقدری کی ایک بڑی اور جیتی جاگتی مثال اس دنیا میں انسان کو دی گئی نعمتیں ہیں۔ انسان کرۂ ارض پر آتا ہے تو زمین و آسمان میں موجود بے شمار عظیم الشان نعمتیں اسے بے مانگے اور بلا کسی جدوجہد کے مفت دستیاب ہوتی ہیں۔

یہاں نعمتوں کی تقسیم میں نیک و بد کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ جو شخص اللہ کو نہیں مانتا، اسے بھی تمام نعمتوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا ہے اور جو شخص اپنے خالق کی شناخت رکھتا ہے وہ بھی ان تمام نعمتوں سے استفادہ کرتا ہے۔ اب یہاں موجود نعمتوں کے بارے میں انسانوں کا کیا رویہ ہوتا ہے اس کے بارے میں ہم اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اِن نعمتوں کی قدر و قیمت کی طرف متوجہ ہوتے ہوں۔

اسی لیے بہت سے لوگ انھی نعمتوں کے درمیان پیدا ہوتے ہیں اور انھی نعمتوں کے درمیان

مر جاتے ہیں، لیکننہ انہیں خالق کی شناخت حاصل ہوتی ہے اور نہ شکرِ نعمت کی توفیق۔

مثلاً غذا کی دستیابی، اس کا ہضم ہونا اور اس کا جز و بدن بننا، اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان ہے لیکن انسان جب کسی بیماری کی وجہ سے غذا کھانے سے محروم ہوجاتا ہے تب اسے غذا اور نظام ہضم کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ ماں کے پیٹ سے لے کر زمین کے پیٹ میں جانے تک پروردگار عالم کی بے مثال، نادر و نایاب اور عظیم الشان نعمتوں سے بے خبر ہی رہتے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''پھر اگر یہ (دہریے) یہ اعتراض کریں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بغیر کسی استحقاق، بلا کسی محنت کے دنیا میں بہترین چیزیں حاصل کر لیتے ہیں اور اس پر خوش بھی ہوتے ہیں تو ان لوگوں کے بارے میں کیا دلیل ہے کہ وہ اسی طرح (بغیر کسی کوشش کے) آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے پر بھی خوش نہیں ہوں گے؟

انہیں جواب دیا جائے گا (کہ آخرت میں ایسا ممکن نہ ہوگا) کیوں کہ اس طرح تو عدل و حکمت دونوں ایک ساتھ ہی معطل ہو جائیں گے (جب کہ یہ نظامِ کائنات عدل و حکمت ہی کی بنیاد پر قائم ہے)۔

لوگ بیباکی سے گناہ کرنے لگیں گے

یہ ایک ایسی بات ہے کہ اگر لوگوں کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہمیں بغیر کوشش کے، یعنی اچھے اعمال کے بغیر ہی آخرت کی

نعمتیں مل جائیں گی تو (وہ سزا کے خوف سے آزاد ہوکر) نہایت بیبا کی اور دیدہ دلیری سے کھلے عام گناہ کرنا شروع کر دیں گے۔

پھر کون ایسا ہوگا جو اپنے آپ کو حرام کاموں سے روکے، اپنے نفس کو بری خواہش سے بچانے کی فکر کرے۔ کوئی شخص اچھے اور نیک کام کیوں سرانجام دے کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ آخرت کی زندگی میں بہترین نعمتیں میرے لیے موجود ہیں (اب میں نیکی کروں یا برائی سب برابر ہے)۔

(لیکن) ایسی صورت میں کوئی شخص اپنی جان ومال اور اپنے گھر کے افراد کی طرف سے کس طرح بے فکر ہوسکتا ہے کہ دوسرے لوگ انہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ (اس لیے کہ نقصان پہنچانے والوں کو روکنے والی اخلاق قدریں اور برائی کی صورت میں انہیں سزا دینے والی شرعی حدود موجود ہی نہ ہوں گی)

مفضل! اگر ایسا ہوتا تو اس خواہش کا نقصان آخرت سے پہلے ہی دنیا میں تمام لوگوں تک پہنچ جاتا ہے۔ ہر صاحبِ عقل، نظامِ عالم میں اس بے قاعدگی اور خلافِ حکمت کام پر اعتراض کرے گا۔

(کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ظالم ومظلوم برابر ہوگئے، فرماں برداروں اور گناہ گاروں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا گیا۔)

نوٹ: دنیا وآخرت کی نعمتیں

دنیا کی نعمتیں انسان کو بلا کسی کوشش اور جدوجہد کے عطا کی گئی ہیں۔ مثلاً سورج کی روشنی،

ہوا، پانی، موسم، زمین اور غذاؤں کی تیاری میں کام آنے والے تمام اسباب دنیا میں مفت عطا کیے گئے ہیں۔ دنیا کی بہت سی نعمتیں انسان کو اللہ تعالیٰ کے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق عطا کی جاتی ہیں۔ اس منصوبے یا تقدیر کے مطابق کسی کو کم کسی کو زیادہ نعمتیں دی جاتی ہیں۔

ایک شخص سخت محنت کرتا ہے لیکن اسے کم رزق حاصل ہوتا ہے۔ ایک آدمی کم کام کرتا ہے لیکن زیادہ مال کماتا ہے۔ کبھی ایک عالم غربت میں زندگی گزارتا ہے اور جاہل زندگی بھر دولت کماتا رہتا ہے۔ کچھ لوگ منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور اسی دولت مندی کے عالم میں مر جاتے ہیں۔ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ کبھی ایک معمولی آدمی معاشرے میں بڑا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور بہت سے باصلاحیت افراد کو مواقعِ دستیاب نہیں ہوتے۔

تقدیر کے منصوبوں کی اس رنگارنگی کی مصلحت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہر انسان جس طرح کے حالات سے گزرتا ہے وہی اس کی دنیا و آخرت کے لیے بہتر ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بعض لوگوں کو دولت نہ دی جاتی تو (وہ) کافر ہو جاتے اور بعض لوگوں کو اگر دولت دے دی جاتی تو وہ کافر ہو جاتے۔''

(حوالہ نہج الفصاحت)

قرآن وحدیث کے مطابق دنیا کی نعمتیں (بہ ظاہر) بغیر کسی استحقاق کے مل سکتی ہیں۔ (مثلاً کسی شخص کو وراثت میں بہت بڑی دولت مل جائے) لیکن آخرت کی نعمتیں دنیا میں اللہ سے ڈرنے والوں، نیک اعمال سرانجام دینے والوں، خدا اور رسولؐ کے احکام پر عمل کرنے والوں، گناہوں سے بچنے اور نیکی اختیار کرنے والوں کے لیے مخصوص ہیں۔ آخرت کی نعمتوں تک کسی فاسق وفاجر کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

باب:3

مصائب ومشکلات

نیک وبد، دونوں ہی کے لیے ہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام کا موضوعِ گفتگو اثباتِ وجودِ خدا کے دلائل ہیں۔ اس حوالے سے آپؑ اپنے اس چوتھے لیکچر میں خدا کی ذات کا انکار کرنے والوں کے بعض سوالات کے جوابات دے رہے ہیں۔ یہ وہ سوالات تھے جو اس دور میں بھی اُٹھائے جاتے تھے اور آج بھی اُٹھائے جاتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! یہ دہریے ان مصائب و مشکلات پر بھی بحث کرتے ہیں جو زندگی میں اکثر آتی رہتی ہیں اور نیک و بد دونوں ہی طرح کے لوگوں پر آتی ہیں یا کبھی ان سے صرف نیک انسان ہی کو نقصان پہنچتا ہے اور بدکار اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ دہریے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس دنیا کو کسی مدبر اور حکیم نے پیدا کیا ہے تو وہ حکیم مطلق اور بندوں پر مہربان ذات بندوں کو اس تکلیف ومصیبت میں کیوں مبتلا کرتی ہے۔ تو اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟"

(یعنی اگر اللہ تعالیٰ ساری دنیا کے نظام کو چلا رہا ہے اور آپؑ کے بہ قول وہ بندوں پر بہت مہربان بھی ہے تو اس کے لیے یہ

مناسب نہیں تھا کہ اپنے بندوں، خاص طور پر اپنے فرماں بردار بندوں کو مصیبتوں میں مبتلا کرے۔)

دونوں کی بہتری

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''تو مفضل سنو! انہیں یہ جواب دیا جائے گا کہ ہاں...

اگرچہ ان مصائب ومشکلات سے نیک وبد دونوں ہی متاثر ہوتے ہیں لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں طرح کے لوگوں کے لیے کوئی نہ کوئی بہتری ضرور موجود ہے۔ نیک لوگ اکثر حادثات و نقصانات وغیرہ سے گزرتے ہیں لیکن کچھ عرصے بعد انہیں وہ نعمتیں دوبارہ حاصل ہوجاتی ہیں جو اس سے پہلے ان کے پاس تھیں اور یہ بات ان کے صبر وشکر کا باعث بنتی ہے۔(مثلاً سیلاب سے کسی کی فصل ضائع ہوگئی لیکن کچھ عرصے بعد نئی اور زیادہ اچھی فصل حاصل ہوگئی کیونکہ سیلاب کے پانی نے زمین کو زیادہ زرخیز کردیا تھا)

یہی حادثات یا آفات جب بدکاروں پر آتی ہیں تو ان کی سرکشی اور تکبر کو توڑ دیتی ہیں، انہیں گناہوں سے بچنے اور غلط کاریوں کو ترک کرنے کی طرف مائل کرتی ہیں۔وہ اس آفت یا حادثے سے (ڈر جاتے ہیں اور) نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح حادثات وآفات سے بچے رہنے والوں میں بھی

نیک اور بد دونوں طرح کے لوگ شامل ہوتے ہیں تو ان دونوں اقسام کے لوگوں کے لیے بھی ان آفات میں اپنی اپنی اصلاح اور بہتری کے مواقعِ موجود رہتے ہیں۔

(۱) نیک لوگوں کے لیے اس طرح کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ (مثلاً زلزلہ آیا لیکن) اللہ نے انہیں اس آفت سے محفوظ رکھا تو ان میں نیکی اختیار کرنے اور سیدھے راستے پر گامزن رہنے کے لیے مزید رغبت اور بصیرت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) بدکار لوگ جب دیکھتے ہیں کہ (زلزلہ تو آیا لیکن ہمارے گناہوں کے باوجود) اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی بڑی آفت سے بچا لیا تو وہ پروردگار کی بخشش اور مہربانی کو محسوس کرتے ہیں کہ (اگرچہ وہ اپنے برے اعمال کے سبب اس مصیبت میں مبتلا کیے جا سکتے تھے لیکن) اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا استحقاق اس مصیبت سے بچا لیا۔ اس احساس کے سبب وہ آیندہ کے لیے اپنی اصلاح اور دوسروں کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔''

نوٹ: آفت کے فائدے

مثلاً اکثر ایسا ہوتا ہے کہ زلزلہ آتا ہے تو بڑی تباہی پھیلتی ہے، لیکن زلزلے سے دونوں ہی طرح کے لوگ محفوظ بھی رہتے ہیں اور دونوں ہی طرح کے لوگ نقصان بھی اٹھاتے ہیں۔ ایسے میں گناہ گاروں کو عبرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ گناہ گار ہونے کے باوجود بچ گئے تو وہ آیندہ کے لیے ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

آپ غور فرمائیں.. کوئی بھی حادثہ یا آفت ہو، مثلاً زلزلہ، طوفان وغیرہ..... تو ہر حادثہ کسی انسان کے لیے نجات، کسی کے لیے سزا، کسی کے لیے عبرت اور کسی کے لیے نئے مواقعِ پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے۔
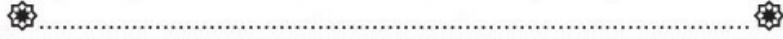
اجسام کو نقصان

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"دیکھو مفضل! اب ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ یہ بلائیں انسانوں کے اموال پر تو آتی ہی ہیں، اکثر ان کے اجسام پر بھی آجاتی ہیں۔ مثلاً کبھی (کبھی آتشزدگی کے سبب) ان کے جسم جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ کبھی سیلاب کا ریلا انہیں بہالے جاتا ہے، کبھی بہت سے لوگ (زلزلے، مٹی کے تودوں کے گرنے یا تیز بارش کے دوران) زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ تو ایسا کیوں ہوتا ہے؟

"مفضل! اگر وہ یہ بات کہیں تو انہیں جواب دیا جائے کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح کے لوگوں (یعنی نیکوکاروں اور بدکاروں) کے لیے بہتری رکھی ہے۔ نیکوکاروں کے لیے تو اس طرح کہ وہ دنیا کی سختیوں اور پریشانیوں سے نجات پا کر آخرت کی بہترین زندگی تک پہنچ جاتے ہیں اور بدکاروں کے لیے اس طرح کہ وہ مزید گناہ کرنے سے بچ جاتے ہیں اور (اس حادثے کے سبب) ان کے گناہوں کی سزا میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔"

بات کا خلاصہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''میری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و قدرت (اور اپنی رحمتِ کاملہ) کے سبب ان تمام معاملات کو آخر کار خیر و منفعت ہی کی طرف پھیرتا ہے جیسا کہ (تم دیکھتے ہو) جب کوئی تیز آندھی کسی تناور پیڑ کو توڑ دیتی ہے تو کاریگر اس کی لکڑی کو مختلف چیزیں بنانے میں استعمال کرتا ہے (اور وہ درخت یعنی اس کی جڑیں اور شاخیں) انسانوں کے دوسرے بہت سے کاموں کے لیے استعمال میں آجاتی ہیں۔

اسی طرح اللہ جل شانہٗ ان مصائب کو جو آدمیوں کے مال اور اجسام کو نقصان پہنچاتے ہیں، انہیں آخر کار انھی کے فائدے اور منافع میں بدل دیتا ہے۔''

یہ حوادث انسانوں پر آتے ہی کیوں ہیں؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اب کوئی شخص یہ سوال بھی کرسکتا ہے کہ یہ حوادث (مثلاً زلزلے، طوفان وغیرہ) انسانوں پر آتے ہی کیوں ہیں؟ (یعنی اگر یہ حوادث نہ آتے تو کیا حرج تھا؟)

تو مفضل! آفات و حادثات کے واقع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنی طویل سلامتی سے مطمئن ہوکر خدا کی نافرمانی کی طرف مائل نہ ہوجائیں۔ ایسا نہ ہو کہ بدکار لوگ بے فکری سے گناہ پر

گناہ کرتے چلے جائیں اور نیکوکار سلامتی کی اس مہلت کے سبب اعمالِ خیر سرانجام دینے میں سستی و کاہلی کا شکار ہو جائیں۔

اس لیے کہ یہ دونوں باتیں (بدکاروں کا بے فکری اور آرام و آسائش کی وجہ سے مزید) گناہوں میں مبتلا ہونا اور نیکوکاروں کا اچھے کام کرنے میں سستی اور بے فکری کا عادی ہو جانا انسان پر اس وقت غالب آتی ہیں جب وہ عیش و آرام کی حالت میں ہوتا ہے۔

یہ حوادث، مشکلات، مصائب انہیں (ان دونوں باتوں سے) روکتے ہیں اور اُنہیں ایسی چیزوں (کاموں یا حقائق) کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں جن میں ان کی بہتری ہی بہتری ہے۔''

نوٹ: ہر آدمی کا تجربہ

انسان نیک ہو یا بد، یہ ہر شخص کا تجربہ ہے کہ جب وہ خوشحالی اور امن و سکون کے عالم میں ہوتو اس کی حالت کچھ اور ہوتی ہے اور جب وہ کسی مشکل میں پھنسا ہوا ہوتو اس کا رویہ دوسری طرح کا ہوتا ہے۔ بے فکری اسے تکبر کی طرف کھینچتی ہے، مشکلات اسے تکبر سے نکال کر عاجزی کی طرف لے جاتی ہیں۔ خوشحالی و بے فکری مسلسل رہے تو زیادہ تر لوگ بے فکری کے ریشمی جال میں ریشم کے کیڑے کی طرح قید ہو جاتے ہیں۔ (واضح رہے کہ ریشم حاصل کرنے کے لیے ریشم کے کیڑوں کو تیز گرم اُبلتے ہوئے پانی میں ڈالا جاتا ہے۔ ریشم کا کیڑا گرم پانی میں اُبلتا رہتا ہے اور اس کی بنائی ہوئی ریشم سے دوسرے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ مال حرام سے دولت جمع کر کے اپنی اولاد کے لیے چھوڑ جانے والوں کا بھی یہی معاملہ ہے۔)

مشکلات ضروری ہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! زندگی سے مشکلات کو اگر بالکل نکال دیا جائے تو انسان کی سرکشی اور معصیت حد سے بڑھ جائے گی جیسا کہ گزشتہ زمانوں میں ہوا کہ جب ان قوموں کی سرکشی حد سے گزر گئی تو انہیں طوفان (آسمانی بجلی، پتھروں کی آندھی، زلزلے یا آتش فشاں کے سلگتے ہوئے لاوے) سے ہلاک کر دینا اور زمین کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کرنا ضروری ہو گیا۔"

نوٹ: عذاب کئی مرتبہ آچکے ہیں

ماہرین حیاتیات کے مطابق زمین پر زندگی کم از کم تیس لاکھ سال سے موجود ہے اور اس عرصے میں زمین کی پوری آبادی (انسانوں، حیوانوں اور نباتات سمیت) کئی مرتبہ ختم ہو چکی ہے۔ یہ عذاب کبھی آسمان سے کسی بڑی چٹان (سیارچے) کے گرنے کی شکل میں آیا اور کبھی آندھیوں، سیلابوں، زلزلوں، آتش فشانوں اور برف باری کی صورت میں زمین پر نازل ہوا۔

سائنس دانوں کے مطابق زمین پر انسانی آبادی کم از کم پانچ مرتبہ ختم ہو چکی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس وقت کرۂ ارض پر انسانی سرگرمیوں کے سبب ماحول کو جس قدر نقصان پہنچایا جا رہا ہے، اس کے نتائج کے پیشِ نظر یقین ہے کہ کرۂ ارض کی آبادی اب مکمل بربادی کے چھٹے حادثے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ (Ref: How the Earth Works)

قارئین یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب انسان مکمل طور پر ہلاک کر دیے گئے تو انسانی آبادی دوبارہ کیسے آگے بڑھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی عذاب نازل ہوتا ہے تو کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ انسان، پیڑ پودے اور جانور بچ جاتے ہیں اور انہی کے ذریعے یہ کرۂ ارض دوبارہ زندگی سے معمور ہو جاتا ہے۔

زندگی تو ٹھیک ہے لیکن موت نہ ہوتی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مُفضل دیکھو! اللہ کی ذات اور اس کی تقدیر (یعنی اس کی حکمت، پلاننگ یا منصوبہ بندی) کا انکار کرنے والوں کے دل ودماغ میں ایک بات سمائی ہوئی ہے، اور وہ ہے زندگی اور موت کا مسئلہ۔ ان کا خیال ہے (یعنی وہ یہ چاہتے ہیں) کہ وہ ہمیشہ زندہ رہتے۔ نہ کبھی کوئی بیمار پڑتا، نہ کسی مشکل سے دوچار ہوتا اور نہ اسے کبھی کسی حادثے یا نقصان سے گزرنا پڑتا۔

(یعنی ان کا خیال ہے کہ تقدیر اگر کسی مدبر وحکیم نے بنائی ہے تو وہ زندگی میں موت نہ رکھتا۔)

زمین تنگ ہوجاتی

"مفضل! تم خود غور کرو کہ اگر اس دنیا میں تمام لوگ جو پیدا ہوئے، وہ ہمیشہ زندہ رہتے، ان میں سے کوئی نہ مرتا، تو کیا یہ زمین ان پر تنگ نہ ہوجاتی۔ انہیں رہنے کو مکان، زراعت کے لیے زمین اور زندگی بسر کرنے کے لیے دوسری چیزیں کہاں سے ملتیں۔

اس وقت جب کہ موت ہر روز انہیں فنا کرتی رہتی ہے، اس کے باوجود ان کے درمیان زمینوں اور وسائلِ زندگی پر قبضہ کرنے کے لیے جنگیں ہوتی رہتی ہیں۔ علاقوں، زمینوں اور وسائل پر قبضے کرنے کی اس دوڑ میں خونریزیاں ہوتی ہیں اور لوگ ایک دوسرے

کے علاقے پر قبضے کرتے رہتے ہیں۔

تو اگر کوئی مرا ہی نہ کرتا، سب زندہ رہتے، جو لوگ پہلے پیدا ہوئے تھے اور جو بعد میں پیدا ہوئے وہ بھی کبھی نہ مرتے اور زندہ رہتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟''

(اس طرح زمین کا کوئی حصہ انسانوں سے خالی نہ رہتا۔حتیٰ کہ کرہ ارض پر موجود انسانوں کے لیے کھڑے ہونے تک کی جگہ باقی نہ بچتی۔)

نوٹ: شرحِ پیدائش، شرحِ اموت

تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق اس وقت (اپریل 2015) زمین پر انسانوں کی کل آبادی سات ارب سترہ کروڑ بانوے لاکھ چالیس ہزار (7,17,92,40,186) سے زیادہ ہے اور اس میں ہر سکینڈ میں 3.4 اور ہر منٹ پر 255 افراد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جتنی دیر میں آپ اس پیراگراف کی چند سطریں پڑھیں گے، دنیا کی آبادی میں کم و بیش ایک ہزار افراد کا اضافہ ہو چکا ہوگا۔ اگر یہ ساری آبادی اور جو لوگ اس سے پہلے گزرے ہیں اور جو ابھی پیدا ہوں گے، یہ سارے کے سارے ہمیشہ زندہ رہتے تو زمین پر نہ درخت باقی بچتے اور نہ باغ اور کھیت باقی رہتے اور نہ دوسرے حیوانات کے رہنے کی جگہ۔

خداوند تعالیٰ نے زمین کے وسائل اور گنجائش کے مطابق انسانوں کے لیے ایسا منصوبہ طے کیا کہ انسان یہاں آتے رہیں اور ایک خاص مدت گزار کر یہاں سے واپس جاتے رہیں۔ واضح رہے کہ زمین پر ہر سال مرنے والوں کی تعداد 3.55 ملین (ایک ملین = دس لاکھ) ہے۔

دنیا تباہی کی طرف بڑھ رہی ہے

انسانی آبادی میں اضافہ خود انسان اور دوسرے ذی حیات کے لیے سخت خطرے کا سبب بن گیا ہے۔ اس لیے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے سبب ماحول کا توازن بگڑ رہا ہے۔ کھیت اور جنگل ختم ہو رہے ہیں۔ ان کی جگہ مکانات عمارتیں اور صنعتیں قائم کی جا رہی ہیں۔

کھیتوں کے ختم ہونے سے زرعی اجناس کی قلت بڑھ رہی ہے، درختوں اور جنگلوں کے کٹنے

سے موسمیاتی تغیرات پیدا ہو رہے ہیں جس سے سمندری طوفان، سیلابوں، تیز بارشوں اور بہت سے علاقوں میں خشک سالی بڑھتی جا رہی ہے۔ دوسری طرف سائنس کی ترقی اور علاج معالجے کی بہترین سہولتوں کے سبب انسانوں کی اوسط عمر اور آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔ اس اضافے کے اثرات کرہ ارض کے مجموعی ماحول کو غیر متوازن بنا رہے ہیں اسی لیے ماہرین حیاتیات کہتے ہیں کہ کرۂ ارض پر زندگی بہت جلد کسی بڑے حادثے کا شکار ہو سکتی ہے۔ (Ref: Ecology)

باب:4

اگر ایسا ہوتا

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے شاگرد مفضل ابن عمرؓ کو اثباتِ وجودِ خدا کے دلائل تعلیم فرما رہے ہیں۔ موضوعِ گفتگو وہ اعتراضات ہیں جو دہریوں کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے ذہن کو آلودہ کرتے ہیں۔ گزشتہ باب میں آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات کو پڑھا کہ اگر دہریوں کے خیال کے مطابق دنیا میں سب انسان ہمیشہ زندہ رہتے تو کیا ہوتا؟ امامؑ نے فرمایا کہ ایسا ہوتا تو زمین اپنی وسعت کے باوجود انسانوں کی غذائی ضروریات پوری نہ کر پاتی...... وغیرہ وغیرہ۔

اب ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے سلسلہ کلام کو آگے پڑھتے ہیں:

لوگوں کے دل سخت ہو جاتے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! اگر ایسا ہوتا کہ سب انسان ہمیشہ زندہ رہا کرتے تو ان پر لالچ و حرص غالب آجاتی۔ ان کے دل سخت ہو جاتے۔ (اب انہیں مرنے کا خوف تو ہے نہیں) تو ایسے میں انہیں اپنے بارے میں اطمینان ہو جاتا کہ کچھ بھی کریں مرنا تو ہے نہیں۔ اس کے نتیجے میں ان کی حرص اور لالچ اس قدر بڑھ جاتا کہ قناعت ان کے دلوں سے رخصت ہو جاتی۔"

(اس وقت جب کہ انسان کی اوسط عمر ساٹھ سے سو سال کے

درمیان ہے تو اس مختصر سی زندگی کے لیے ہی طاقتور لوگ زیادہ سے زیادہ وسائل پر قبضہ کرنے کی ہوس رکھتے ہیں۔ اب اگر انہیں معلوم ہوتا کہ وہ لامحدود عرصے تک زندہ رہیں گے تو ان کی حرص وہوس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ چیزیں، مثلاً زیادہ سے زیادہ مال و دولت زمین اور زیادہ سے زیادہ وسائل حاصل کرنے میں لگ جاتے۔)

ایسی صورت میں دو حالتیں رونما ہوتیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

(۱) ایسی حالت میں انسان میں لالچ اور ہوس اتنی بڑھ جاتی کہ وہ نہ کسی مانگنے والے کو کوئی چیز دیتا اور نہ کسی حادثے پر (نقصان کے سبب) اسے کبھی صبر آتا۔

(۲) لوگ (زندہ رہتے رہتے) تنگ آجاتے۔ دنیا کے کاموں سے ان کا دل اُچاٹ ہوجاتا اور انسان زندگی سے عاجز آکر موت کی تمنا کرنے لگتا۔ (حتیٰ کہ سگے رشتے دار بھی ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر بیزار ہوجاتے)۔

بڑھاپا اور بیماری ہی نہ ہوتی

"مفضل! ممکن ہے یہ بات سن کر (خدا کی مصلحت ومشیت پر اعتراض کرنے والے) یہ کہیں کہ لوگ بڑھاپے اور بیماریوں کی وجہ سے موت کی تمنا کرتے ہیں تو بہتر ہوتا کہ اللہ زندگی کی مشکلات و مصائب اور بیماریوں کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اس طرح ہوتا تو پھر کوئی انسان موت کی آرزو ہی نہ کرتا۔

تو اس کا جواب وہی ہے جو میں پہلے سے بیان کر چکا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا تو انسان غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتے اور اس کے نتیجے میں وہ ایسے کاموں کی طرف راغب ہو جاتے جن سے ان کی دنیا بھی خراب ہوتی اور آخرت بھی۔''

جو لوگ پیدا ہوتے ان کی نسل ہی نہ بڑھتی

''مفضل! یہ گمراہ لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کی نسل ہی نہ بڑھتی تا کہ ضروریاتِ زندگی کی قلت اور رہنے کی جگہوں میں کمی واقع نہ ہوتی۔''

(یعنی جو انسان ابتدا میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتے لیکن نہ ان کی نسل بڑھتی اور نہ ان کے بچے ہوتے تا کہ آبادی میں اضافے کے سبب وسائلِ زندگی پر کوئی اثر نہ پڑتا۔)

''مفضل! اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں جن (کھرب ہا کھرب) انسانوں کو مصلحتِ پروردگار کے مطابق دنیا میں آنا تھا (اور یہاں ایک خاص مدت گزار کر اپنی کوشش سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور انعامات سے فائدہ اٹھانا تھا)، وہ اللہ کے ان انعامات سے محروم رہتے۔

اسی طرح انہیں ان وسائلِ زندگی کو اللہ تعالیٰ احکامات کے مطابق استعمال کرنے سے آخرت کی جو نعمتیں حاصل ہونا تھیں (کھرب ہا کھرب) انسان ان سے محروم رہتے۔''

اللہ سارے انسانوں بیک وقت پیدا کر دیتا

"مفضل! اگر وہ اس بات کو سن کر یہ کہیں کہ اللہ جس قدر انسانوں کو آیندہ پیدا کرے گا اور جنہیں پہلے پیدا کر چکا ہے انہیں ایک ہی وقت میں پیدا کر دیتا (تو کوئی بھی انسان اس دنیا اور آخرت) کی نعمتوں سے محروم نہ رہتا۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس طرح تو پھر وہی مسئلہ پیدا ہوتا جو ہم بیان کر چکے کہ زمین پر بیک وقت اس قدر انسانوں کی موجودگی کے سبب رہنے کے لیے مکان، کھیتی باڑی کے لیے زمین اور دوسرے وسائل کہاں باقی رہتے اور اس سے وہی مسائل پیدا ہوتے جو بیان کیے جا چکے ہیں۔

ہر انسان ایک ہی عمر کا ہوتا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اس کے علاوہ اگر سارے انسان ایک ہی ساتھ پیدا کر دیے جاتے تو ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی نہ ہوتا۔ (جس کے سبب انسان کو راحتیں اور لذتیں حاصل ہوتی ہیں۔ انسان کی زندگی کی جدوجہد اور کوشش کا مرکز و محور اپنے بچوں اور گھر والوں کی بہتری اور سلامتی ہوتا ہے۔ وہ انھی کے لیے محنت، کوشش اور جدوجہد کرتا ہے۔)

"مفضل! ایسی صورت میں رشتے داروں، قرابت داروں سے جو راحت اور طاقت حاصل ہوتی ہے وہ کس طرح حاصل ہو سکتی تھی؟ حالات کی سختی، مشکلات اور حادثات کے موقعِ پر کس سے مدد

حاصل کی جاتی؟ بچوں کی پرورش اوران کی معصومیت سے انسانوں کو جوخوشی اور سرور ملتا ہے، وہ کس طرح حاصل ہوتا (کیونکہ سارے انسان ایک ہی عمر کے ہوتے یعنی باپ بیٹا، دادا دادی، نانا نانی، ماں بیٹی سب ہم عمر ہوتے۔)
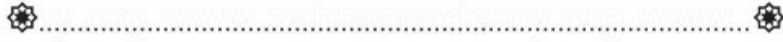
نوٹ: اللہ تعالیٰ کے منصوبے میں مداخلت کا نتیجہ

یہاں ہم اپنے قارئین کے لیے ایک عجیب مثال پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام میں انسانی مداخلت کے کیا اثرات رونما ہوتے ہیں۔

سن ساٹھ کی دہائی میں ملک چین میں انقلابی تبدیلیاں سامنے آئیں۔اسی زمانے میں چین کی بڑھتی ہوئی آبادی کو بڑھنے سے روکنے کے لیے ماؤزے تنگ نے یہ انقلابی حکم جاری کیا کہ والدین صرف ایک بچہ پیدا کریں گے۔ایک سے زیادہ بچہ پیدا تو والدین کو سزا دی جائے گی۔چین کے لوگوں نے اس پر سختی سے عمل کرنا شروع کر دیا۔تیس سال بعد اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چین کے معاشرے میں بہت سارے رشتے ہی ختم ہو گئے۔مثلاً خالہ، خالو، پھوپی، پھوپا، ماموں، ممانی، دادا، دادی، نانا، نانی، سب سے بڑھ کر بہن بھائی۔کسی بھی انسان کے لیے یہ سارے رشتے دار ایک طاقت پیدا کرتے ہیں، خوشی اور غم میں کام آتے ہیں جب یہ رشتے دار ہی باقی نہ رہیں تو ہر انسان کی تنہائی کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔یہ تنہائی بے شمار نفسیاتی اثرات مرتب کرتی ہے اور بہت سے غیر فطری کاموں کے لیے راہ ہموار کرتی ہے۔

جزا وسزا کا سلسلہ اور اللہ کی مصلحتیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! ممکن ہے کوئی اعتراض کرنے والا ایک اور زاویے

سے اللہ کی تدبیر پر اعتراض کرے اور کہے کہ ہم کیسے سمجھیں کہ اس عالم (دنیا) کا کوئی مدبر و خالق بھی ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں طاقت ور آدمی (اپنی طاقت کے بل بوتے پر) کمزور انسان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتا ہے۔ وہ کمزور پر ظلم کرتا ہے، اس کا مال غصب کر لیتا ہے۔ (اس کے برعکس) نیک اور کمزور انسان دنیا میں اکثر ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ نیک ہونے کے باوجود وہ دنیا میں غربت اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا رہتا ہے جب کہ فاسق و فاجر لوگ خوشحالی میں زندگی گزارتے ہیں۔

ظالم کو جلد سزا نہیں ملتی

پھر یہ بھی ہے کہ جو شخص دوسروں کی بے حرمتی کرتا ہے، اسے جلد سزا نہیں ملتی۔ (طاقتور، دولت مند لوگ جو چاہیں ظلم کریں، انہیں کوئی سزا نہیں ملتی) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں جزا و سزا کا کوئی باقاعدہ قانون نہیں ہے (یعنی اگر اس عالم کا کوئی پیدا کرنے والا ہوتا ہے اور وہ صاحبِ حکمت بھی ہوتا ہے) تو ایسی صورت میں نیک عمل کرنے والوں کو زیادہ رزق و روزی ملا کرتی، بدکاروں کو مال نہ دیا جاتا، طاقت ور آدمی کو کمزور آدمی پر ظلم کرنے سے روکا جاتا۔ گناہ گاروں کو فوری سزا مل جایا کرتی۔''

نیکوکاروں کی قدر و منزلت ہی نہ رہتی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! اس کا جواب یہ دیا جائے کہ اگر ایسا ہوا کرتا (کہ نیکی پر فوری انعام اور بُرے کام کی فوری سزا ملا کرتی) تو نیک آدمیوں

کی قدر ہی جاتی رہتی۔ یہ فضیلت (کہ اچھے اعمال کا اچھا بدلہ ملے گا)
صرف انسانوں ہی کو عطا کی گئی ہے۔ حیوانات اس فضیلت سے محروم
ہیں۔ معبودِ حقیقی کے وعدوں پر اعتبار کر کے اعمالِ خیر سرانجام دینا،
اختیار کے باوجود اپنے نفس کو برائیوں سے روکنا، مشکل کے باوجود نیک
اعمال سرانجام دینا اور ان سارے کاموں کو غیب پر ایمان کے ساتھ
اپنے اختیار کے ساتھ سرانجام دینا (تو یہ فضیلت صرف انسان کو دی گئی
ہے اگر فوری انعام اور فوری سزا ملا کرتی تو)۔۔۔۔ ان سب بہترین
کاموں اور ان کے سرانجام دینے والے کی کوئی وقعت ہی نہ رہتی۔"

نوٹ: جزا اور سزا فوراً ملا کرتیں تو

یعنی اگر نیکوکاروں کو ان کے اچھے اعمال کی جزا فوراً مل جایا کرتی تو پھر تو ہر شخص اچھے اچھے کام کرتا اور اگر گناہ گاروں کو فوری سزا مل جایا کرتی تو انسان ڈر کے مارے گناہ سے دور رہتا۔ مثلاً اگر ایسا ہوتا کہ جو لوگ نماز پڑھیں وہ ہمیشہ خوشحال رہیں، ان کی زندگی میں کبھی کوئی مشکل ہی نہ آئے، تو ہر شخص، ہر وقت نماز اور دعاؤں میں مشغول رہتا۔ اگر پوشیدہ یا اعلانیہ گناہ کرنے والے کو فوراً ہی کوئی سزا مل جایا کرتی، تو لوگ خود ہی گناہوں سے دور بھاگتے۔

اللہ تعالیٰ اگر اس دنیا میں ایسا نظام قائم کرتا تو کھرے اور کھوٹے کی پہچان نہیں ہو سکتی تھی۔ بدکاروں کا صاحبان ایمان سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ انسان نیکی سرانجام دینے یا گناہ کرنے میں مجبورِ محض ہوتے تو ان کی مثال روبوٹس کی طرح ہوتی، جو اپنے اندر موجود پروگرام کے مطابق کام کرتے ہیں۔ روبوٹس کو نہ کسی قسم کی سزا دی جا سکتی ہے اور نہ کسی طرح کی جزا۔

باب:5

اگر جزا، سزا فوراً ملا کرتی

امام جعفر صادق علیہ السلام خدا کو نہ ماننے والوں کے گمراہ کن سوالوں کا جواب دے رہے ہیں۔ ان دہریوں کا کہنا تھا کہ اگر خداوندِ تعالیٰ مدبرِ کائنات ہے تو گناہ گاروں کو اس دنیا میں فوراً سزا ملا کرتی اور اچھے کام کرنے والوں کو اس دنیا میں فوراً ہی اچھا بدلہ مل جایا کرتا لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ جزا و سزا میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمتیں ہیں، امام جعفر صادق علیہ السلام انھی کو بیان کر رہے ہیں۔

انسان اور حیوان میں فرق باقی نہ رہتا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

> "مُفضل سنو! اگر ایسا ہوتا کہ انسان چوپایوں کی طرح کام کرنے پر مجبور ہوتے تو تمام آدمی چوپایوں کی ہی طرح ہو جاتے، جنہیں لاٹھی اور ڈنڈے سے قابو میں کیا جاتا ہے۔ جنہیں کبھی چھری دکھائی جاتی ہے اور کبھی چارہ، تو ایسی صورت میں وہ ٹھیک رہتے ہیں۔"

(اگر ایسا ہوتا تو انسانوں اور باقی حیوانات میں کیا فرق رہ جاتا؟)

عذاب و ثواب بے معنی ہو جاتے

(ا) انسانوں کے لیے عذاب و ثواب کے مراحل (و

مدارج) ہی باقی نہ رہتے۔ کوئی شخص نہ ثواب کے شوق میں کام کرتا اور نہ عذابِ خدا کے خوف سے گناہوں سے پرہیز کرتا۔ انسان، انسانیت کا لبادہ اتار کر حیوانات کی طرح ہو جاتے۔

(۲) کوئی شخص آخرت کی نعمتوں کا ادراک (حتیٰ کہ تصور تک) نہ کرتا۔ صرف حاضر و موجود کے مطابق عمل کرتا۔

(یعنی جب وہ تجربہ کر لیتا کہ گناہ کرنے سے فوراً سزا ملتی ہے اور نیک کام کروں گا تو ابھی فوراً ہی اس کی جزا مل جائے گی۔ اگر ایسا ہوتا تو سارے ثواب و عذاب دنیا ہی میں ختم ہو جاتے۔ آخرت کی نہ ختم ہونے والی نعمتوں کا کسی کے دل میں خیال ہی پیدا نہ ہوتا)۔

(۳) ایسی صورت حال میں آدمی نیک کام اس لیے کرتا کہ اس کے رزق و روزی میں اضافہ ہو اور اسے دنیاوی مشکلات سے نہ گزرنا پڑے۔ بدکار اور ظالم لوگ ظلم و گناہوں سے اس لیے دور رہتے کہ اگر ایسا کیا تو دنیا میں فوری سزا سے گزرنا پڑے گا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ثواب و عذاب کا جو وعدہ کیا ہے، اس کے بارے میں انسانوں کو معمولی سا بھی شائبہ نہ ہوتا اور نہ وہ آخرت کے ثواب اور نعمتوں کے مستحق ہوتے۔"

دولت نیکوکاروں کو بھی مل جاتی ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا:

''مُفضل! اس کے علاوہ جیسا کہ یہ لوگ (دہریے) کہتے ہیں کہ یہاں ظالموں کو دولت وعزت ملتی ہے اور نیکی کرنے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے..... تو ہمیشہ ایسا بھی نہیں ہوتا۔ تم دیکھتے ہو کہ نیک اعمال سرانجام دینے والوں کو بھی مختلف بہانوں اور تدبیروں سے دولت حاصل ہو جاتی تا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے کہ دولت کی فروانی صرف کافروں اور ظالموں ہی کے لیے ہے، اچھے نیک لوگ اس سے ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو لوگ (مایوس ہو کر) برائیوں (مثلاً حرام کی طرف راغب) ہو جاتے نیکی کرتے ہی کیوں؟

گناہ گاروں کو سزا ابھی مل جاتی ہے

مفضل! تم یہ بھی دیکھتے ہو کہ (اکثر گناہ گاروں کو دنیا ہی میں سزا مل جاتی ہے تاریخ کا مطالعہ کرو تو معلوم ہو گا کہ) ظالموں اور فاسقوں کی سرکشی حد سے گزر گئی تو انہیں اس دنیا میں بھی اکثر سزا مل گئی اور انھیں مسخ کر دیا گیا۔''

(اس کی بہت سی مثالیں ہماری حالیہ تاریخ میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً ایران کی صدیوں پرانی سلطنت کا زوال اور شاہِ ایران کی ذلت وخواری، لیبیا کے جابر صدر قذافی کا عبرت ناک انجام اور صدام جیسے ظالم اور اس کے بیٹوں کی ذلت آمیز موت)۔

ایسا تو دنیا کے بادشاہ بھی کرتے ہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''دیکھو مفضل! ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض بدکاروں اور ظالموں کو دنیا میں کوئی سزا نہیں ملتی، ان کی ساری سزا آخرت کے لیے ذخیرہ کردی جاتی ہے''۔۔۔(لیکن ان ساری باتوں سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس عالم کا کوئی خالق و مدبر ہی نہیں ہے۔)

ایسا کچھ تو دنیا کے بادشاہ بھی کرتے ہیں (کہ کسی کو فوراً سزا دے دی اور کسی کو مہلت دینے کے بعد۔ کسی کو اس کے اچھے کام کے بدلے میں فوراً ہی انعام و اکرام سے نواز دیا اور کسی کو مصلحت کے تحت دیر میں انعام دیا۔)

بادشاہوں کے فیصلوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا

لیکن تم دیکھو کہ بادشاہوں کے اس طرح کے فیصلوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ اس کے برعکس ان کی مصلحت پسندی کی اکثر تعریف کی جاتی ہے۔ جن کاموں پر (جن لوگوں کو سزا دینے) میں انہوں نے تاخیر کی، اسے درست مانا جاتا ہے۔''

(یہ پسندیدگی دراصل عقل و منطق اور قانون و قاعدے کے مطابق ہوتی ہے۔ عقل کی مدد سے لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ بادشاہ نے فلاں کو انعام دیا تو کیوں دیا اور فلاں شخص کو سزا دی تو کیوں دی۔ اگر

کسی کو فوراً انعام دیا تو اس میں کیا مصلحت تھی اور کسی کی ہمت افزائی میں تاخیر کی تو اس کی وجہ کیا تھی۔ کسی کی سزا کو ٹال دیا تو اس میں کیا بہتری تھی اور کسی کو فوری سزا دی تو یہ کیوں ضروری تھی۔)

نوٹ: قانون اور اس پر عمل درآمد کرانے والا

جب کہ شواہد بتا رہے ہیں (یعنی قوانین فطرت گواہی دے رہے ہیں) کہ اشیائے عالم (یعنی اس عظیم کائنات) کا کوئی خالق ہونا ضروری ہے۔ یعنی وہی عقل جو انسان کو بتاتی ہے کہ ملک اور سلطنت کے لیے بادشاہ (حکمران) اور اس ملک کو چلانے کے لیے کچھ قوانین ناگزیر ہیں اور ان قوانین پر عمل درآمد کرانے والے کے بغیر نظامِ حکومت ایک لمحے نہیں چل سکتا تو وہی عقل اسے یہ بھی بتاتی ہے کہ اس عظیم الشان کائنات کے قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے بھی ضرور کچھ قوانین بنائے گئے ہوں گے اور قوانین کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ان کا بنانے والا اور کوئی انہیں نافذ کرنے والا بھی موجود ہو۔

انسانی عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! اسی طرح عقل انسانی اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتی کہ کوئی صانع (یعنی بنانے والا کائنات جیسی اس قدر عظیم الشان) کوئی چیز بنائے اور اسے یونہی چھوڑ دے۔

(مثلاً ایک شخص مکان بنائے اور اسے یونہی خالی چھوڑ دے، نہ خود اس میں رہے نہ کسی دوسرے کو دے اور نہ اس کی دیکھ بھال کرے، تو یہ ایک بیکار اور مہمل کام ہوگا اور یہ مکان دیکھ بھال نہ

ہونے سے جلد ہی شکست وریخت کا شکار ہو جائے گا۔)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! ایسا مہمل کام اپنی کمزوری، عاجزی، جہالت یا شرارت کے سبب انسان تو کرسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات، کمزوری وعاجزی اور جہالت یا شرارت سے بَری ہے۔

(اسی لیے اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کی خلقت کے پیچھے کوئی حکمت اور منصوبہ موجود ہے اور وہ مخلوق اور منصوبہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کے تابع ہے۔)

کائنات اور اشیاء

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اب دیکھو مفضل! جہاں تک دنیا میں موجود مخلوقات (مثلاً کسی عاجز وکمزور انسان) اور اس عظیم کائنات میں موجود اشیاء کا تعلق ہے تو عاجز تو اس بات پر قادر ہی نہیں ہوسکتا کہ ایسی ایسی جلیل القدر حیران کن اور عظیم مخلوقات کو پیدا کر سکے۔ جہاں تک جاہل کا تعلق ہے تو اس کے پاس علم وحکمت ہی نہیں ہوتی اور جس کی فطرت میں شر پایا جاتا ہو تو وہ ایسی حیران کن (اور سودمند) مخلوقات کو پیدا ہی کیوں کرے گا۔

یہ بات واضح ہے کہ (کائنات میں موجود) ان مخلوقات کو یقینا ایک عالم اور صاحبِ قدرت وحکمت ذات نے پیدا کیا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ذات ان مخلوقات کی تدبیر واصلاح بھی کرتی رہے۔ خواہ عام لوگ اس کی حکمت کو سمجھ نہ پائیں اور اس کی گہرائی نہ جان سکیں۔

تم دیکھتے ہو کہ دنیا میں بادشاہانِ وقت جو تدبیریں کرتے

ہیں (یعنی پالیسیاں بناتے ہیں) تو عوام کی اکثریت (ان پالیسیوں یا منصوبوں) کی حکمت کو نہیں سمجھ پاتی لیکن کچھ عرصے بعد ان تدبیروں کے فوائد لوگوں کی سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔" (اگرچہ حکمرانوں کی پالیسیاں درست بھی ہوسکتی ہیں اور غلط بھی۔ اسی طرح ان کے نتائج بھی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے منصوبوں میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا)۔

لوگ اپنے تجربے سے فائدہ کیوں نہیں اُٹھاتے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"تو پھر یہ لوگ اپنے (اس دنیا کے) تجربے سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟ وہ اس نتیجے تک کیوں نہیں پہنچتے کہ پروردگارِ عالم جو کرتا ہے وہ عینِ مصلحت (اور بندوں کے لیے سودمند) ہوتا ہے۔ اللہ کی خالقیت (اور اس کی حکمت و مصلحت) کی کتنی مثالیں یہ لوگ مخلوقات میں ہر وقت دیکھتے ہیں لیکن اس دنیا کے لیے خالق و مدبر کے قائل نہیں ہوتے۔"

نوٹ: ایک انسان ہی کی مثال پر غور کریں

مثلاً ایک نیا انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو غور کیا جائے کہ یہ کیسے اور کہاں سے یہاں آگیا۔ اس کے جسم کے اعضا میں عمر اور ضرورت کے مطابق تبدیلی کون پیدا کرتا ہے۔ کس نے اس انسان کے لیے زمین پر اس کی جسمانی ضروریات کے مطابق غذائیں پیدا کیں۔ کس نے اسے زندہ رہنے اور غذاؤں کے ذریعے ضروری اجزاء حاصل کرنے کا طریقہ بتایا؟ کس نے زمین پر موجود ماحول

اور غذاؤں کو اس کی جسمانی ضروریات سے ہم آہنگ کیا؟

ایک سانس لینے ہی کی مثال لے لیں۔ایک انسان ایک منٹ میں 72 مرتبہ سانس لیتا ہے۔ ہر مرتبہ جب ہوا یعنی آکسیجن اس کے جسم میں جاتی ہے تو ہر مرتبہ جسم کے کھربوں خلیے اس آکسیجن کی مدد سے جسم میں موجود شوگر کو توانائی میں تبدیل کرتے ہیں اور یہ توانائی انسان کو چلنے پھرنے حرکت کرنے ،کام کرنے میں اس کی مدد کرتی ہے۔سوال یہ ہے کہ سانس لینے کے لیے تازہ ہوا منہ ناک پھیپھڑے اور غذائی اجزاء کو جسم تک پہنچانے کے لیے دل اور اس غذا کو استعمال کرنے کے لیے یہ خلیے اور نظام تنفس کا یہ پیچیدہ و پراسرار نظام کس نے قائم کیا؟
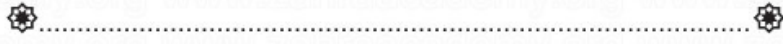
ذاتِ خالق کا اقرار عقلاً واجب ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''دیکھو مفضل! اگر اس دنیا (یا کائنات میں) آدھی چیزیں بھی ایسی ہوتیں کہ ان میں راستی و درستی نہ پائی جاتی (یعنی ان کے اندر نپے تلے قوانینِ فطرت کام نہ کر رہے ہوتے) تب بھی ایک عاقل و ہوش مند انسان کے لیے مناسب نہیں تھا کہ وہ یہ کہے کہ یہ ساری دنیا (اور کائنات) اور اس میں موجود مخلوقات خود بہ خود پیدا ہوگئی ہیں۔اگرچہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔مخلوقات میں جس قدر چیزیں ہیں (وہ اپنی خلقت کے لحاظ سے کامل ہیں اور) ان کے اندر اللہ تعالٰی کے بنائے ہوئے قوانین ہر وقت کارفرما نظر آتے ہیں۔''
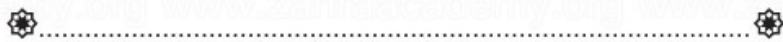
نوٹ: قوانینِ فطرت

آج سائنس پڑھنے والے بچے بھی جانتے ہیں کہ ایک ذرے سے لے کر سورج تک اور ایک ستارے سے لے کر عظیم الشان کہکشاؤں تک ہر جگہ ایک ہی مادّہ، ایک سے قوانین فطرت کام کر رہے ہیں۔ مچھر سے لے کر کھجور کے درخت تک میں یکساں مادّہ استعمال ہوا ہے حتیٰ کہ زمین و آسمان انسان، حیوان، پیڑ پودے، ہوائیں، بادل بجلی، پہاڑ، سمندر اور دریا سب ایک ہی طرح کے مادّے سے وجود میں آئے ہیں اور ہر جگہ یہ مادّہ قانون قدرت کے زیر اثر کام کرتا ہے۔

قوانین قدرت کی یہ یکسانی اور ان پر یقینی عمل درآمد ہونا یہ بتاتا ہے کہ کوئی ذات ہے جس نے ان قوانینِ فطرت کو بنایا ہے اور وہی ان قوانین کو نافذ کرنے کی طاقت رکھتی ہے اور وہی خالق و مدبر کائنات یعنی اللہ جل شانہٗ کی ذات ہے۔

باب:6

ہر شے خدا کی بہترین صنعت ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مُفضل! قانونِ عقل ثابت کر رہا ہے کہ اشیائے عالَم کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔ تو لازم ہے کہ جو اِن اشیائے عالم کا خالق ہے وہ ان کی تدبیر و اصلاح کرے اور مخلوقات کی اصلاح و تدبیر میں وہ جو کچھ کرے (ضروری نہیں کہ اس کی حکمت و مصلحت) ہر آدمی کی سمجھ میں بھی آجائے۔''

تجربوں سے سیکھنا چاہیے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اب دیکھو مُفضل! تمہیں اگر کسی دوا یا غذا میں شبہ پیدا ہو، مثلاً دو تین طرح سے تم پر ثابت ہو جائے کہ یہ دوا یا غذا گرم مزاج ہے یا ٹھنڈی (یعنی یہ بدن میں گرمی پیدا کر دے گی یا ٹھنڈک) تو کیا تم اپنے اس تجربے کی بنیاد پر یہ نہیں بتاؤ گے (کہ ہاں دوا یہ سرد مزاج ہے اور یہ دوا گرم مزاج) تو پھر اس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے بارے میں اپنے تجربے سے اس نتیجے تک نہیں پہنچو گے کہ

پروردگار عالم جو کرتا ہے، وہ مخلوقات کے واسطے عین مصلحت (یعنی ان کے لیے بہترین) ہے۔''

کائنات ہمیشہ سے ہے یا پیدا ہوئی ہے؟

آئندہ صفحات پر آپ اس موضوع پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو پڑھیں گے جس میں اسی موضوع کے حوالے سے بات کی جارہی ہے۔

قدیم ادوار سے یہ سوال ہمیشہ زیر بحث رہا کہ کیا یہ کائنات ہمیشہ سے موجود ہے یا یہ کبھی نہیں تھی اور پھر عدم سے وجود میں آئی ہے؟ اسلامی عقائد کے مطابق کائنات کبھی نہیں تھی اور جب اللہ نے چاہا یہ وجود میں آئی۔ آیئے اس سوال کی تاریخ اور اس کے حتمی جواب پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ علم فلکیات کا آغاز آج سے پانچ ہزار سال پہلے بابل ونینوا (موجودہ عراق) کی سرزمین سے ہوا۔ بابل ونینوا کے باسی سورج اور چاند، ستاروں کی پوجا کرتے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ کائنات ہمیشہ سے ہے۔ علم فلکیات کا یہ علم جب یونان پہنچا تو زمانوں اور زبانوں کے اختلاف کے سبب یہ سوال بہت عرصے تک قابل توجہ نہ بن سکا۔

ارسطو کا خیال

بہر حال یونان کے فلسفی مثلاً ارسطو کا خیال تھا کہ کائنات محدود اور ٹھہری ہوئی ہے اور زمین کائنات کا مرکز ہے۔ محدود تصور کائنات کا یہ نظریہ یورپ کے سائنسی حلقوں پر پندرھویں صدی عیسوی تک حکمرانی کرتا رہا، سولہویں صدی عیسوی میں پولینڈ کے ایک ماہر فلکیات کوپرنیکس نے پہلی بار ارسطو کے نظریے کو چیلنج کیا، کوپرنیکس نے سورج کو مرکز کائنات قرار دیا۔

گلیلیو بھی یہی سمجھتا تھا

گلیلیو وہ پہلا سائنس دان تھا جس نے دوربین سے ستاروں اور سیاروں کو دیکھا، اس کے

مشاہدات نے آئزک نیوٹن (1642ـ1727) کو متاثر کیا۔قوانین فطرت مثلاً کششِ ثقل کو سمجھنا اور دریافت کرنا نیوٹن کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔اس عظیم سائنسی مفکر کے نظریات انیسویں صدی عیسوی تک پورے یورپ میں مستند سمجھے جاتے رہے۔لیکن وہ بھی ہمیشہ سے موجود اور ساکت کائنات پر یقین رکھتا تھا۔کائنات کے بارے میں نیوٹن کے نظریات کو بعد میں آنے والے سائنس دان البرٹ آئن سٹائن نے مشاہداتی تصدیق کے بعد کافی حد تک غلط قرار دیا۔

ارتقاپذیر کائنات

پھیلتی ہوئی ارتقاء پذیر کائنات کا نظریہ پہلی بار1922ء میں روس کے سائنس دان الیگزینڈر فریڈمین نے پیش کیا،اسی نظریے کو بیلجیم کے سائنس دان جارج لے ماترے نے1927ء میں کسی قدر تبدیلی کے ساتھ پیش کیا۔لیکن ابھی اس نظریے کی مشاہداتی تصدیق نہیں ہوسکتی تھی۔

کائنات عدم سے وجود میں آئی

1929ء میں نئی اور طاقتور دوربینوں کی ایجاد کے بعد امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے کائنات کے مختلف حصوں اور پھیلتی ہوئی کہکشاؤں کو طاقتور دوربینوں سے دیکھنے کے بعد یہ حتمی بات کہی کہ کائنات ٹھہری ہوئی نہیں۔یہ مسلسل پھیل رہی ہے۔اس نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ یہ عظیم کائنات ابتدا میں ایک نقطے کے برابر رہی ہوگی۔بعد میں پھیلنا شروع ہوئی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کبھی نہیں تھی اور جس طرح آج یہ پھیل رہی ہے تو یقیناً ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ جب یہ واپس سمٹنا شروع کرے گی اور ایک دن کسی ذرے میں تبدیل ہوکر غائب ہوجائے گی،(یعنی وجود سے عدم کی طرف لوٹ جائے گی)

(حوالہ: کائنات، سیّد عبداللہ۔How Universe Work)

اور یہ وہ حقیقت تھی جس کے بارے میں قرآن مجید ساتویں صدی عیسوی میں واضح طور پر اعلان کرچکا تھا۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ۔

''جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی'' (بدل دیے جائیں گے)۔ (سورہ ابراہیم، آیت 48)۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾۔

''اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح طومار میں اوراق (لپیٹے جاتے ہیں)۔ جس طرح ہم نے خلقت کی ابتداء کی تھی، اسے پھر دہرائیں گے۔ یہ وعدہ ہمارے ذمے ہے۔ اسے ہم ہی پورا کر کے رہیں گے۔''

(سورہ انبیاؑ، آیت 104)

اس پس منظر کو بیان کرنے کے بعد اب ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو کی طرف لوٹتے ہیں۔

دہریوں کا حال

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مُفضل! اب ان جاہلوں (خالق کا انکار کرنے والوں) کو دیکھو کہ خالقِ کائنات کے وجود کے ثبوت و شواہد اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے، اس کے باوجود یہ جاہل (اندھے بہرے) خالقِ کائنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ (میں دوبارہ یہ بات کہتا ہوں کہ) اگر کائنات میں موجود اشیاء میں سے آدھی چیزیں بھی کسی نظم و ضبط کے بغیر (بالکل بے ہنگم پیدا ہوئی) ہوتیں تب بھی علم و عقل (اور

منطق) اس کی اجازت نہ دیتے کہ اس عالم (یعنی کائنات) کے خود بہ خود پیدا ہو جانے کو تسلیم کیا جائے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ تمام اشیائے عالم، (اور تمام قوانین فطرت) خدا کی حکمت و تدبیر اور صنعت کا ایک عظیم شاہکار ہیں۔ تو اتنے شواہد کی موجودگی میں یہ بات کس طرح کہی جا سکتی ہے کہ ساری کائنات از خود پیدا ہوگئی اور بغیر کسی نگراں ذات کے از خود قائم ہے۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"تم دیکھو مفضل! کہ اللہ تعالیٰ کی خلق کردہ تمام چیزیں اپنے وجود میں ہر طرح کامل ہیں، حتیٰ کہ تم کسی بھی چیز کا تصور کرو، تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں اس سے بہتر چیز پہلے ہی موجود ہوگی۔"

(اگر چہ تم جو تصور کرو گے تو اس تصور کرنے کی صلاحیت بھی تمہارے وجود میں اللہ جل شانہ نے پیدا کی ہے۔)

باب: 7

کاسموس۔ زینت و آرائش

امام جعفر صادق علیہ السلام اس حوالے سے بات کر رہے ہیں کہ کائنات میں موجود ہر شئے نظم و ضبط کی پابند اور اپنے وجود کی تشکیل میں حسنِ ترتیب کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا:

> ''مفضل! کیا تم جانتے ہو کہ یونانی زبان میں اس زمین و آسمان (کائنات) کو ''قوسموس'' کہا جاتا ہے۔ قوسموس کے معنی ہیں ''زینت'' تو یہ جو یونانی فلاسفہ نے اس عالم (کائنات) کو قوسموس کہا تو اسی سبب سے کہ ساری کائنات میں حسنِ ترتیب اور بہترین نظم و ضبط پایا جاتا ہے۔ انہوں نے اس عالم کو یہ نام نظامِ کائنات میں حسنِ ترتیب اور قوانینِ فطرت کی درستگی کو دیکھتے ہوئے دیا ہے۔ یہ نام کائنات کے لیے یونان کے فلاسفہ نے یہ ظاہر کرنے کے لیے منتخب کیا کہ (دنیا پر) ظاہر کریں کہ یہ سارا عالَم حسنِ ترتیب کے ساتھ ایک بہترین نظام کے تابع ہے۔''

نوٹ: کاسموس اور یونانی فلسفی

مولانا ہارون زنگی پوری نے اپنے ترجمے میں لفظ کاسموس کو قوسموس لکھا ہے۔ اصل لفظ کاسموس (Kosmos) ہے۔ سائنس پڑھنے والے دوست اس لفظ سے اچھی طرح آگاہ ہیں لیکن

اس کے ماخذ و معنی سے ممکن ہے کئی دوست واقف نہ ہوں۔

کاسموس (Cosmos) دراصل یونانی زبان کے لفظ Kosmos کی نئی شکل ہے۔ آج سائنسی زبان میں اسے کاسموس (cosmos) ہی لکھا جاتا ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی ''انتہائی پیچیدہ اور منظم'' کے ہیں۔ جب کوئی چیز منظم ہوتی ہے تو اس میں حسنِ ترتیب کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ یونانی زبان میں عورتوں کے حسن و آرائش کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے آج بھی میک اَپ کی چیزوں کو کوسمیٹک (Cosmetic) کہا جاتا ہے۔

اس لفظ کاسموس کو سب سے پہلے یونان کے عظیم فلسفی فیثاغورث (PYTHAGORAS) نے اس عظیم، پیچیدہ و پر اسرار اور منظم کائنات یعنی یونیورس (Universe) کے لیے استعمال کیا تھا۔ واضح رہے کہ یونانی فلسفی فیثاغورث کا عہد، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 571 سال پہلے کا ہے۔
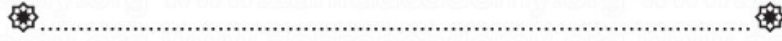
معالجین کی غلطیوں کے باوجود اُن پر بھروسا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! مجھے حیرت ہوتی ہے ایسے (دل کے اندھوں) کو دیکھ کر کہ یہ لوگ طبیبوں سے علاج کراتے ہیں۔ علاج کے دوران معالجوں کی غلطیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن فنِ طب پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ معالجین کی (جان لیوا) غلطیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور فنِ طب کو دل سے مانتے ہیں۔

اللہ کی ذات کا انکار

اس کے برعکس حکیمِ مطلق یعنی خالقِ کائنات اللہ جل شانہٗ کی پیدا کی ہوئی کسی شے یا کسی حکمت میں کوئی غلطی، کوئی بد نظمی نہیں

دیکھتے لیکن خالق کائنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔

انھیں خالقِ کائنات کی حکمتوں کا شعور کیوں حاصل نہیں ہوتا؟ (تم دیکھو کہ) یہ گمراہ لوگ (کس طرح) اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ایک شخص مانی (کی جہالت) پر تعجب ہوتا ہے کہ اَسرارِ علم کی واقفیت کا دعویٰ کرتا ہے اور کائنات کے (خالق اور اس کے) عدم سے وجود میں آنے کے (لاکھوں کروڑوں) دلائل پر غور وفکر کرنے سے قاصر ہے۔"

نوٹ: مانی اور اس کے عقائد

مانی کا پورا نام مانی بن فاتک تھا۔ یہ شخص شاپور بن اردشیر نامی بادشاہ کے زمانے میں گزرا ہے اور آتش پرست تھا۔ اس کا عہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے۔ اس گمراہ شخص کا خیال تھا کہ عالم یعنی یہ زمین اور آسمان عدم سے وجود میں تو آئے ہیں لیکن انہیں دو قدیم اور ایک دوسرے سے متصادم خداؤں نے پیدا کیا ہے۔

ایک قوت نور ہے اور دوسری ظلمت۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ دونوں دو الگ الگ قوتیں ہیں۔ دونوں میں سماعت و بصارت بھی موجود ہے لیکن اپنی اصل میں یہ شکل وصورت اور فعل وتدبیر میں ایک دوسرے کی ضد ہیں (یعنی ان کے کام اور طریقہ کار ایک دوسرے سے مختلف ہیں)۔ ایک کا نفس اچھا ہے، دوسرے کا نفس برا ہے۔ ایک کی صورت اچھی ہے، دوسری ذات کی صورت بری ہے۔ ایک کے افعال (یعنی کام) اچھے ہیں، دوسرے کے کام برے ہیں۔

اچھے بُرے خدا

گویا یہ شخص دو خداؤں کے وجود کو مانتا تھا۔ اس کی تعلیمات کا خلاصہ یہ تھا کہ اچھی چیزیں

جیسے روشنی، غذائیں، ہوائیں، فضائیں، حسن وخوبصورتی صحت وسلامتی اچھے والے خدا نے پیدا کی ہیں اور نقصان پہنچانے والی چیزیں مثلاً زہر، بیماریاں، موت، تاریکی وغیرہ دوسرے خدا نے پیدا کی ہیں اور یہ دونوں ''خدا'' ہر وقت ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔

اس شخص کے ان مشرکانہ اور جاہلانہ خیالات نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا جس کے سبب خود آتش پرستوں (یعنی مجوسیوں) میں بہت سے فرقے پیدا ہوئے۔ زردشتیوں کے علاوہ مجوسیوں کے تمام فرقے دو خداؤں کے قائل تھے۔ ایک خدا کو ''یزدان'' کہا جاتا تھا۔ یزداں اچھی شکل وصورت و صفات والا ''خدا'' تھا۔ ''اہرمن'' بری شکل وصورت اور خراب صفات والا ''خدا'' تھا۔ آتش پرست فرقے یزداں کو نور اور روشنی کا خالق جانتے تھے، اس لیے یہ لوگ ہر روشن چیز مثلاً سورج، چاند، ستاروں، آگ اور صبح کو قابلِ عبادت و پرستش سمجھتے تھے۔

حکمرانوں کی سازشیں

آتش پرستوں کے یہ فرقے طلوعِ اسلام سے صدیوں پہلے موجود تھے ان کی جڑیں ایران ہی نہیں ساری عرب دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے حکمرانوں نے اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے اور دین اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی ایک سوچی سمجھی پالیسی کے تحت نہ صرف اس طرح کے گمراہ فرقوں کو پھلنے پھولنے کے بھرپور مواقع فراہم کیے بلکہ خود بھی نت نئے گمراہ کن عقائد اور فرقوں کو پروان چڑھانے کا کام جاری رکھا۔

مسلمان حکمرانوں کی شہنشاہت وملوکیت کے سارے ادوار میں خاندانِ رسالتؐ یعنی اہل بیتؑ اور خصوصاً آئمہ طاہرینؑ کے سوا کوئی موجود نہیں تھا جو عقل ومنطق اور علمِ قرآن کے ذریعے دین اسلام کی حقیقی تعلیمات کا دفاع کرتا۔ ہماری اس بات کی دلیل امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ سلسلہ گفتگو ہے جسے آپ ان صفحات پر ملاحظہ کر رہے ہیں۔

باب: 8

اللہ کی ذات

وہم وادراک سے بالاتر ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام اثباتِ وجودِ خدا کے بارے میں گفتگو کے دوران اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنے والوں کے بے بنیاد دلائل کا جواب دے رہے ہیں۔ مشرکوں، بت پرستوں اور دہریوں کے حوالے سے بات کرنے کے بعد آپ نے فرقۂ معطلہ کے گمراہ کن عقائد کا تذکرہ کیا۔

اللہ کو آنکھ سے دیکھ لیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! ان سب سے زیادہ تعجب مجھے فرقہ معطّلہ والوں کی باتوں پر ہوتا ہے۔ فرقہ معطّلہ والے اس بات کے خواہش مند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست اپنی آنکھ سے دیکھ سکیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے تو کیا، اس کی ذات کی حقیقت، عقل سے بھی معلوم نہیں کی جاسکتی۔

(بہرحال) جب اللہ تعالیٰ انہیں آنکھ سے دکھائی نہیں دیا تو انہوں نے ذات باری تعالیٰ کا انکار کردیا کہ اللہ کا کوئی وجود ہے ہی

نہیں (اور اپنی اسی جہالت پر جم گئے کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ) کہتے ہیں آخر اللہ تعالیٰ ہماری سمجھ میں کیوں نہیں آتا یہ بات ہماری عقل میں کیوں نہیں آتی!

مفضل! (ان کی اس احمقانہ بات کا جواب یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی ذات انسانی عقل کی دسترس سے بالاتر ہے اسی لیے تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے انسان کی آنکھ ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی جو اُس کی طاقت سے ماوراء ہیں۔ (اسی طرح عقل بھی اس شئے کو محسوس نہیں کر سکتی جو اس کی صلاحیت سے بالاتر ہو۔)

نوٹ: حواسِ خمسہ کا حال

امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بڑی حیران کن بات ارشاد فرمائی ہے۔

ہمارے حواس خمسہ، یعنی آنکھ، ناک، کان، زبان اور جلد یہ سب ہمارے جسم میں ایک دوسرے کے قریب قریب بلکہ ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ آنکھ، کان ناک، زبان سب ایک دوسرے کے قریب قریب موجود ہیں اور کھال یعنی جلد ان میں سے ہر ایک کے ساتھ موجود ہے۔

لیکن کان کو معلوم نہیں ہوتا کہ زبان نے کیا ذائقہ محسوس کیا۔ زبان کو نہیں معلوم کہ ناک نے کیا سونگھا۔ جلد کو معلوم نہیں ہوسکتا کہ آنکھ نے کیا دیکھا، زبان نے کیا چکھا، کان نے کیا سنا، ناک نے کیا سونگھا اسی طرح آنکھ، کان، ناک اور زبان، جلد کو محسوس ہونے والے دباؤ، نرمی سختی، گرمی یا سردی کو محسوس نہیں کرسکتی۔ یہ ساری معلومات جب حواسِ خمسہ کے ذریعے دماغ تک پہنچتی ہیں تو ہمارا دماغ اس بات کا ادراک کرتا ہے کہ کون سی شئے کیا ہے۔ اس کا رنگ، ساخت، بناوٹ، ذائقہ، نرمی، سختی وغیرہ کس

طرح کی ہے۔ یعنی حواسِ خمسہ خود کسی مادی چیز کو دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں جب تک کہ دماغ اس (شئے کے) بارے میں اپنا فیصلہ صادر نہ کرے۔

سبب اور مسبب

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مفضل! اللہ تعالیٰ کی ذات حواسِ خمسہ ہی کی صلاحیتوں سے نہیں، خود انسانی دماغ اور اس میں موجود عقل و ادراک حتیٰ کہ وہم و گمان سے بھی بالاتر ہے تو ایسے میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنا یا سمجھنا کسی کے لیے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے؟ البتہ انسانی عقل کو یہ صلاحیت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ سبب سے مسبب کی جانب متوجہ ہوسکے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! اگر تم کسی پتھر کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھو تو سمجھ جاؤ گے کہ اسے کسی پھینکنے والے نے پھینکا ہے۔ یہ بات آنکھ کے ذریعے تمہاری سمجھ میں نہیں آتی بلکہ اس بات کو تم نے اپنی عقل سے سمجھا۔ اس لیے کہ عقل ہی اس بات کا فیصلہ کرتی ہے اور جانتی ہے کہ پتھر خود بہ خود زمین سے اٹھ کر فضا میں بلند نہیں ہوسکتا۔ آنکھ نے تو صرف پتھر کو اڑتے ہوئے دیکھا۔"

(اور اس کی اطلاع دماغ کو فراہم کی۔ دماغ میں موجود عقل و فہم اور دلیل و منطق کی صلاحیت نے تمہیں یہ بتایا کہ پتھر جو ایک وزنی شئے ہے، وہ خود ہوا میں نہیں اڑ سکتا تھا۔ یقیناً اسے کسی نے زمین سے اٹھا کر بلندی کی طرف اچھالا ہے۔)

عقل اور ماورائے عقل

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مُفضل سنو! جس طرح آنکھ سب کچھ دیکھتی ہے مگر کسی نتیجے تک نہیں پہنچ پاتی یعنی اس کی صلاحیتیں بے شمار لیکن محدود ہیں اسی طرح عقل بھی (خدا کی مخلوق ہے) اور اس کی صلاحیتیں بے شمار و بے مثال ہونے کے باوجود محدود ہیں۔ اس لیے عقل بھی ماورائے عقل کا ادراک کرنے سے معذور ہے۔

توتم اس بات کو سمجھو کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں عقل بھی کچھ سمجھنے سے قاصر ہے۔''

(بالکل اسی طرح جس طرح آنکھ پتھر کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھ سکتی ہے لیکن عقل کی رہنمائی کے بغیر حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ انسانی عقل اشیائے عالم کو دیکھ کر ان کے پیدا کرنے والے کے وجود کو تسلیم کرتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکتی۔)

ایک اور مثال

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

دیکھو مفضل! اس بات کو ایک اور طرح سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ عقل انسان کو بتاتی ہے کہ مجھ میں نفس اور جان ہے۔ اگرچہ

انسان نے نہ نفس کو دیکھا اور نہ جان کا نظارہ کیا۔ نہ دوسرے حواسوں سے روح اور نفس کو محسوس کیا لیکن ہر انسان جانتا ہے کہ وہ روح و جسم کا مجموعہ ہے۔''

(جسم کو انسان دیکھ اور محسوس کرسکتا ہے لیکن اس بات کو جاننا کہ یہ میرا جسم ہے یا کسی دوسرے کا، یہ انسان کا جسم ہے یا کسی جانور کا، ان سب سوالوں کے جواب اس کی عقل ہی اسے فراہم کرسکتی ہے)۔

جو عقل روح کو دیکھے بغیر مانتی ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''تو مفضل! جو عقل..... روح و نفس کو دیکھے یا محسوس کیے بغیر روح اور نفس کا ادراک کرتی ہے، وہی عقل خالقِ کائنات کو بھی اسی طرح جانتی اور پہچانتی ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کو ماننا پڑتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے۔

(وہ خود بہ خود نہیں پیدا ہوگیا۔ البتہ جس طرح انسانی عقل روح و نفس کی حقیقت کا پورا پورا ادراک نہیں کرسکتی کہ روح کیا ہے، نفس کس چیز سے بنا ہے، اس کی ساخت اور بناوٹ کیا ہے۔ بس انسان یہ جانتا ہے کہ مجھ میں روح ہے) تو عقل اپنے خالق کی شناخت کرسکتی ہے لیکن اس کے لیے یہ کسی طور بھی ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت کو جان سکے۔''

نوٹ: بے شمار چیزیں جنہیں انسانی عقل نہیں جانتی

اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے، اس کی حقیقت سمجھنا تو دور کی بات ہے خود اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی بے شمار مخلوقات ہیں جن کی حقیقت کو جاننا اور سمجھ سکنا، کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ مثلاً کشش ثقل۔ سائنسدان کشش ثقل کو اپنے تجربات کے ذریعے جانتے ہیں۔ لیکن کشش ثقل ہے کیا، اس کی شکل وصورت، اس کی بناوٹ کس طرح کی ہے اس کے بارے میں کسی انسان کو کچھ معلوم نہیں۔

اس عظیم کائنات میں بیشتر مادّہ ایسا ہے جس کے وجود کو کشش ثقل کی موجودگی کی بنیاد پر مان لیا گیا ہے کہ یہ مادہ کائنات میں ہے لیکن یہ مادہ کیسا ہے، کیا ہے، اس مادے میں کیا ہو رہا ہے؟ اس کی تفصیل آج تک کسی سائنسی آلے، دوربین، خوردبین، یا کسی اعلیٰ ترین کمپیوٹر کی مدد سے بھی معلوم نہیں کی جاسکی۔ سائنسدان اس مادّے کو ڈارک میٹر یعنی نظر نہ آنے والا مادّہ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اس مادّے کو کسی بھی ذریعے سے دیکھنے سے قاصر ہیں۔

(حوالہ: How Universe works)

ایک عجیب بیماری

انسان کو اپنی عقل کی وجہ سے دوسرے تمام ذی حیات پر فوقیت حاصل ہے لیکن یہ انسانی عقل اکثر خود انسان کو دھوکا دے جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال ایک نفسیاتی و اعصابی بیماری ہے۔ اس بیماری کو Body Integraity Identity Disorder اور مختصراً BIID کہا جاتا ہے۔

اس بیماری کا شکار افراد اپنے جسم کے کسی ایک عضو مثلاً ٹانگ یا بازو کے ایک حصے کو اپنے جسم کا حصہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور اس حصے کو کسی بھی طرح اپنے جسم سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ سرجن حضرات اس آپریشن کے لیے تیار نہیں ہوتے تو ایسے مریض اپنی ٹانگ یا بازو اگر ٹرین کی پٹڑی پر رکھ کر خود کاٹ لیتے ہیں یا خود کو اتنا زخمی کر لیتے ہیں کہ سرجن کے پاس ان کے اس عضو کو آپریشن کو ذریعے

ان کے جسم سے الگ کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اپنے جسم سے اپنے عضو کو الگ کر کے ایسے مریض کو بے حد راحت محسوس ہوتی ہے۔

اس بیماری کا سبب ان کے دماغ میں ہوتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہر انسان کا دماغ جسم کے تمام اعضاء و جوارح کا ایک مکمل نقشہ اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے اسی لیے جسم کے کسی بھی حصّے میں خرابی پیدا ہونے کی صورت میں دماغ اس کا پتا لگا لیتا ہے اور مختلف طریقوں سے ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے۔

BIID نامی بیماری میں مبتلاء مریض کے دماغ میں یہ پیدائشی نقص ہوتا ہے کہ اس کے پاس جسم کا مکمل نقشہ نہیں ہوتا ہے اور وہ عضو ہونے کے باوجود اس عضو سے لاعلم رہتا ہے۔ اور ایسا مریض اپنے جسم کے ایک حصے کو کسی دوسرے کا عضو سمجھنے لگتا ہے۔ (Ref: Wikipedia)

انسان کو مکلف ہی کیوں کیا گیا؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مُفضل دیکھو! اب اگر وہ (فرقہ معطّلہ والے) یہ کہیں کہ جب انسان اس ناقص عقل کی مدد سے اللہ کی ذات کو مکمل طور پر پہچان ہی نہیں سکتا تو اسے اس بات کی تکلیف ہی کیوں دی گئی کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے؟

تو اس کا جواب بہت واضح ہے کہ اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے جو کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر بندوں کے امکان میں ہے اس قدر اللہ کی معرفت حاصل کر لیں۔

انہیں یہ نہیں کہا گیا کہ وہ اللہ کی ذات وصفات پر مکمل احاطہ

حاصل کریں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں سے
صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے ہونے کا یقین حاصل کریں اور اس
کے احکامات پر عمل درآمد کریں۔
جس چیز سے انہیں روکا جائے اس سے رک جائیں اور جس
چیز کی انہیں اجازت دی گئی ہے اس پر عمل کریں، اس سے استفادہ
کریں اور اس یقین کو حاصل کرنے کے لیے یہ کائنات، اس کا نظام،
اس کے اَسرار اور قوانینِ فطرت موجود ہیں جن پر غور وفکر کر کے وہ
رب کائنات کے وجود کا یقین حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو
اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

نوٹ: طاقت سے زیادہ تکلیف

ہم گزشتہ صفحات میں بھی اسلام کے اندر پیدا ہونے والے کئی فرقوں کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ یہ تمام فرقے بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں پیدا ہوئے یا انہیں ملوکیت کے اِن ادوار میں مضبوط کیا گیا۔ ان میں سے ایک فرقے کا نام ''اشعریہ'' تھا۔ اس فرقے کے بانی ابوالحسن اشعری کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کی طاقت وصلاحیت سے زیادہ تکلیف دے سکتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کو ایسی باتوں کا حکم دے سکتا ہے یا دیتا ہے جنہیں انسان سرانجام نہ دے سکے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ انسان کو حکم دے سکتا ہے کہ وہ فضا میں اڑنا شروع کردے اگرچہ انسان کے پاس اڑنے کے لیے بال و پر نہیں ہیں۔ ابوالحسن اشعری کا کہنا تھا کہ انسان اگر ایسے حکم کو نہ مانے تو اللہ تعالیٰ اسے سزا بھی دیتا ہے۔

یہ عقائد اسلامی تعلیمات کے برعکس اور احکامِ قرآنی کے خلاف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ کسی بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ ایسی باتوں کی توقع تو کسی انسان سے بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی کو اس کی سکت اور طاقت سے زیادہ تکلیف دے۔ مثلاً کوئی شخص مجھ سے یہ کہے کہ تم اُٹھو اور سیمنٹ کی اس دیوار میں سے آر پار گزر جاؤ۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا، کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔

کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے جسم کے قائل ہیں

بعض مسلمان فرقے اللہ تعالیٰ کے لیے باقاعدہ جسم تجویز کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ انسانوں کا معبود ایک جسم ہے۔ اس کے گوشت، خون اور اعضا و جوارح ہیں البتہ اس کا جسم اور طرح کا ہے۔ گوشت بھی کسی اور طرح کا ہے اور اس کا خون بھی انسانوں جیسا نہیں ہے۔ خدا بدن سے سینے تک جوف دار ہے اور نیچے سے بالکل ٹھوس۔ اس کے بال گھنے، کالے اور گھنگھریالے ہیں۔" (حوالہ ملل و نحل۔ص ۱۴۰۔۱۳۹ مطبوعہ بیروت)

بادشاہ کی شکل وصورت جاننا ضروری نہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! تم جانتے ہو کہ دنیا میں کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو یہ جاننے کی تکلیف نہیں دیتا اور نہ وہ یہ شرط عائد کرتا ہے کہ رعایا کا ہر آدمی یہ معلوم کرے کہ بادشاہ کا قد و قامت کیا ہے۔ وہ پستہ قد ہے یا دراز قد، وہ گورا ہے یا کالا ہے یا گندمی۔ (اس کی آنکھیں کیسی ہیں؟ اس کے کان کیسے ہیں) کوئی بادشاہ اپنی رعایا سے اس کی امید نہیں رکھتا۔ وہ اپنی رعایا سے صرف یہ چاہتا ہے لوگ اس کی حکمرانی کو تسلیم کریں، اس کے احکامات کو مانیں اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔

(کتنی عجیب بات ہوگی کہ) رعایا میں سے کوئی شخص بادشاہ کے دروازے پر جا کر کہے کہ اے بادشاہ میرے سامنے آؤ تا کہ میں تمہیں اچھی طرح پہچان لوں (کہ تمہاری شکل وصورت کیسی ہے۔ قد کاٹھ کیسا ہے۔ تم کس طرح کام کرتے ہو، کس طرح اور کیوں حکم جاری کرتے ہو؟) میں جب تک تمہیں اچھی طرح دیکھ نہیں لوں گا تمہارے کسی حکم کو نہیں مانوں گا۔

تو مفضل! تم خود بتاؤ کہ اس شخص کا انجام کیا ہوگا۔ وہ بادشاہ کے غیض وغضب میں گرفتار ہوگا اور اسے سزا دی جائے گی۔

اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ میں خالقِ کائنات، اللہ تعالیٰ کو مانوں ہی گا نہیں جب تک کہ میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لوں۔ جب تک مجھے اس کی ذات کی حقیقت اور گہرائی معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک میں اللہ کا کوئی حکم نہیں مانوں گا۔

تو ایسا کر کے وہ کم عقل شخص خداوند تعالیٰ کو ناراض کرنے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔'' (اور کیا ایسا شخص عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کا مرتکب نہیں ہوگا؟)

باب:9

اللہ تعالیٰ کے اَسمائے صفاتی

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایمان افروز گفتگو جاری ہے مفضل ابن عمر اس گفتگو کو لکھتے جا رہے ہیں۔ موضوع گفتگو ہے اللہ کی ذات والا صفات اور گمراہ لوگوں کے اعتراضات۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کیسے معلوم ہوئیں؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مُفضل! اگر (گمراہ لوگ) یہ اعتراض کریں کہ (جب اللہ کی ذات انسانی وہم وادراک سے بلند و ماورا ہے، اسے دیکھا نہیں جاسکتا تو پھر) تم اس کی صفات کو کس طرح بیان کرتے ہو کہ اللہ جواد ہے۔ اللہ حکیم ہے۔ اللہ کریم ہے۔ اللہ عزیز ہے۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

تو مفضل اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ صفاتِ اقراری ہیں (یعنی ہم ان کا اقرار کرتے ہیں، انہیں ماننا ہمارے لیے لازم ہے) یہ صفاتِ احاطہ نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ صفات ہمارے احاطۂ علم و عقل سے بالاتر ہیں)۔ ہم یہ جانتے ہیں اور اس پر ایمانِ کامل رکھتے ہیں کہ وہ "حکیمِ مطلق" ہے لیکن اس کی حکمت کی اصل حقیقت کو نہیں جان سکتے

(کہ وہ کس طرح کا حکیم ہے؟ یہ صفت اس میں کس طرح کی ہے۔اس کی ذات میں اس کی ماہیت وکیفیت کیسی ہے)۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً قدیر وجواد... وغیرہ کا معاملہ ہے۔

آسمان کو روز دیکھتے ہو

(اب تم غور کرو مفضل کہ) ہم اس آسمان کو روز دیکھتے ہیں مگر (عام لوگ) یہ نہیں جانتے کہ اس کا مادّہ کیا ہے؟ یعنی یہ کس چیز سے بنا ہے۔اسی طرح ہم دریا کو دیکھتے ہیں لیکن (یہ بات عام لوگ) نہیں جانتے کہ اس کی ابتدا وانتہا کہاں سے کہاں تک ہے......

کوئی مثال اس کی مثال نہیں بن سکتی

دیکھو! حقیقت تو ہے کہ یہ مثالیں میں نے برسبیلِ تذکرہ بیان کی ہیں۔اللہ جل شانہٗ کی ذات ان تمام مثالوں سے ماورا (اور بے مثل و بے نظیر) ہے۔تمام مثالیں اس کی مثال بننے سے قاصر ہیں۔البتہ یہ ضرور ہے کہ عقل انسانی یقیناً اس کی معرفت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

(یعنی انسانی عقل،غور وفکر کے ذریعے اس نتیجے تک پہنچتی ہے کہ یہ عظیم الشان کائنات اور اس میں موجود قوانینِ قدرت خود بہ خود یا اتفاقی طور پر پیدا نہیں ہوسکتے۔کسی نے انہیں پیدا کیا ہے تو پیدا ہوئے ہیں، یہ کائنات از خود پیدا نہیں ہوئی۔اس تخلیق کے پیچھے کوئی

خالق ہے اور وہی اللہ رب العالمین ہے)

وہم وگمان سے ماورا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مُفضل سنو! اب اگر وہ یہ کہیں کہ پھر اس میں اختلاف ہی کیوں ہے؟ تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ تصورات و خیالات بھی اس کی عظمت کی حد تک رسائی نہیں رکھتے۔ (انسانی حواس) اس کی معرفت حاصل کرنے میں اپنی حدود سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ (وہ اگرچہ) اس کی پوری حقیقت کو معلوم کرنا چاہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے کم درجے کی باتوں کو بھی سمجھنے سے عاجز ہیں''۔

نوٹ: انسان مادّے ہی کو نہیں سمجھ پایا

اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنا تو دور کی بات ہے انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو سمجھنے سے بھی معذور ہے۔ جدید سائنسی زمانے میں ہم مادّے کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن اس مادّے کی حقیقت کو سمجھنے سے عاجز ہیں کہ یہ مادّہ اور یہ توانائی جو ساری کائنات میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہے یہ کس چیز سے بنی ہے۔ کہاں سے آتی ہے، کس طرح پیدا ہوتی ہے۔

کشش ثقل کو ہم مانتے ہیں، جانتے ہیں لیکن کیا کوئی سائنس دان اس کی شکل وصورت اور اس کی ماہیت و ماخذ کو جاننے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ غرض ساری کائنات ایسے اَسرار سے بھری ہوئی ہے جن کے لیے سائنس دانوں نے کچھ اصطلاحات ضرور ایجاد کی ہیں لیکن وہ ان کی اصل حقیقت کو سمجھنے کا دعویٰ نہیں کرتے۔

عقلِ انسانی عاجز ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! انسانی عقل کی اس عاجزی کی ایک مثال (آسمان پر روز طلوع وغروب ہونے والا) یہ آفتاب ہے۔ تم یہ تو جانتے ہو کہ یہ سورج روزانہ ساری دنیا پر اپنی روشنی ڈالتا ہے لیکن اس کی حقیقت کسی کو نہیں معلوم۔ اس کے بارے میں بہت سے اقوال ونظریات ضرور موجود ہیں اور ان نظریات میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔

سورج کے بارے میں اقوال

مثلاً کسی فلسفی کا خیال ہے کہ سورج ایک خول دار آسمانی جسم ہے اور آگ سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا ایک منہ ہے جس میں سے شعاعیں نکلتی ہیں اور (اس سے) روشنی پھیلتی ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سورج دراصل ایک سفید بادل ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ سورج ایک شیشے جیسا جسم ہے۔ ناریتِ عالم (عالم کی توانائی) کو قبول کرتا ہے اور پھر اس کی شعاعیں اس دنیا پر ڈالتا ہے۔ (یعنی سورج کائنات کے اندر موجود آگ کو اپنے اندر جذب کرتا ہے اور پھر اسے دنیا کی طرف منعکس کر دیتا ہے۔)

(کچھ لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ) سورج پانی کے جم جانے سے وجود میں آیا ہے اور) یہ ایک صاف وشفاف اور لطیف شئے ہے۔

کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ سورج، آگ کے بہت سارے اجزا کے ایک مقام پر جمع ہوجانے کی وجہ سے بن گیا ہے۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ سورج عناصر اربعہ کے علاوہ کسی اور ہی شئے سے بنا ہے۔ یعنی یہ کوئی پانچواں عنصر ہے۔ سورج کی شکل وصورت کے بارے میں بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورج ایک چوڑے صفحے کی مانند ہے۔

دوسروں نے کہا کہ سورج ایک (بہت بڑی) گیند کی طرح (گول) ہے۔

اس کے حجم کے بارے میں بھی مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

کسی کا خیال ہے کہ سورج زمین کے برابر ہے۔

دوسرے کہتے ہیں کہ یہ زمین سے چھوٹا ہے۔

کسی نے کہا کہ یہ جزیرہ عظیمہ سے زیادہ بڑا ہے۔

نوٹ: عظیم سیارہ یا جزیرہ عظیمہ سے غالباً امامؑ کی مراد زمین کی وہ حالت ہے جب اس میں براعظم تشکیل نہیں پائے تھے۔ اس عہد کی زمین (کرۂ ارض) کو Pangaea کہا جاتا ہے۔ یہ زمانہ آج سے 4.6 ارب سال پہلے کا تھا۔ (حوالہ: How Earth Works)

سورج کے بارے میں اتنے اقوال

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مُفضل! علم ہندسہ والوں کا اندازہ ہے کہ سورج زمین

کے مقابلے میں ایک سوستر (170) گنا بڑا ہے۔

(مختصراً یہ کہ) سورج کے بارے میں اس قدر اقوال و اندازے لگائے گئے لیکن اصل حقیقت اب بھی کسی کو معلوم نہیں۔ تو مفضل! تم خود سوچو کہ جب سورج، جسے آنکھیں دیکھتی ہیں اور عقل و حواس سے محسوس کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود سورج کی اصل حقیقت کسی کو نہیں معلوم۔ تو اس (ذات) کو کس طرح سمجھا، یا محسوس کیا جاسکتا ہے جو عقل و ادراک حتیٰ کہ تصورات تک سے ماورا ہے؟''

نوٹ: سورج اور آج کی سائنس

امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور یعنی آج سے ساڑھے بارہ سو برس پہلے دنیا بھر کے لوگ کائنات کے بارے میں یونان کے فلسفیوں کے نظریات ہی پر بھروسا کرتے تھے۔ ان فلسفیوں کے اندازے اور نظریات کی مشاہداتی تصدیق ناممکن تھی۔ اس لیے کہ اس وقت نہ سائنسی آلات تھے، نہ خلا میں تیرتی ہوئی دوربینیں اور نہ کمپیوٹرز۔

آج کے دور میں ہم کائنات کے بارے میں اگرچہ زیادہ بہتر معلومات رکھتے ہیں لیکن کائنات اتنی بڑی ہے کہ آج بھی اس کے بارے میں بیشتر باتیں نظریات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ بہر حال آج کے جدید سائنسی دور میں سورج کے بارے میں جو معلومات ہمیں حاصل ہیں، انہیں مختصراً قارئین کے ساتھ شیئر کرنا چاہتے ہیں: مثلاً

(۱) سورج کا سائز زمین سے اتنا بڑا ہے جیسے فٹ بال کے مقابلے میں پن کا سر (Pin Head)۔ یعنی سورج زمین سے دس لاکھ گنا بڑا ہے۔

(۲) سورج زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

(۳) سورج کے اندر ہر سیکنڈ میں سینکڑوں ایٹمی دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ سورج کے اندر ہائیڈروجن اور ہیلیم گیس کے عظیم ذخائر موجود ہیں۔ اس ایندھن کو جلا کر سورج توانائی پیدا کرتا ہے۔

(۴) سورج کے مرکز کا درجۂ حرارت 27 ارب فارن ہائٹ (15 ارب سینٹی گریڈ) رہتا ہے۔

(۵) سورج کا حجم آٹھ لاکھ پینسٹھ ہزار میل ہے۔

(۶) اس کا وزن زمین سے تین لاکھ گنا زیادہ ہے۔

(۷) سورج کے اندر ایک سیکنڈ میں اتنی توانائی پیدا ہوتی ہے کہ اس سے امریکہ جیسے براعظم کو پچاس کروڑ سال تک بجلی فراہم کی جا سکتی ہے۔

(۸) سورج ایک عام ستارہ ہے اور عظیم سرخ ستارے (Red Star) کے مقابلے میں یہ بہت چھوٹا ہے۔ ہماری کہکشاں (Milky Way) میں سورج جیسے یا اس سے بڑے کم و بیش سو ارب ستارے موجود ہیں۔ (حوالہ: Amazing Facts/The Universe)

باب:10

ذاتِ الٰہی کے پوشیدہ ہونے کا مطلب

قارئین گزشتہ باب میں آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو پڑھ چکے ہیں جس میں آپؑ نے سورج کی حقیقت کے بارے میں انسانوں کی لاعلمی کے حوالے سے بات کی اور فرمایا تھا کہ جب انسان سورج جیسی شئے کے بارے میں حتمی طور پر یہ نہیں جانتا کہ سورج کی حقیقت کیا ہے، تو وہ اس ذات کی حقیقت کو کس طرح جان سکتا ہے جس نے سورج کو خلق کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مخفی کیوں ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے مفضل ابن عمرؓ سے فرمایا:

''دیکھو مفضل! اب اگر وہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا) لوگ یہ کہیں کہ آخر اللہ تعالیٰ مخفی یا پوشیدہ کیوں ہے؟ (یعنی وہ کسی کو دکھائی کیوں نہیں دیتا)۔

تو انھیں یہ جواب دیا جائے کہ وہ اس طرح پوشیدہ نہیں ہے، جس طرح تم سمجھتے ہو۔ مثلاً وہ کسی چیز کے پیچھے چھپا ہوا نہیں ہے، جیسے تم دروازوں اور پردوں کے پیچھے ایک دوسرے سے چھپ جاتے ہو۔

وہ اس طرح کی کسی ترکیب سے پوشیدہ نہیں ہے (کوئی

شئے کائنات میں ایسی ہے ہی نہیں ہے جو اللہ کی ذات کو چھپا سکے۔)

جب ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نگاہوں سے پوشیدہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانی بصارت ہی نہیں بلکہ انسان کے وہم وگمان اور تصور سے بھی مخفی ہے۔ اس کی ذاتِ والا صفات، انسانوں (اور تمام مخلوقات) کے ادراک سے زیادہ لطیف ہے۔

(نہ آنکھ اس کو دیکھ سکتی ہے، نہ کان اسے سن کر محسوس کر سکتے ہیں۔ نہ جلد اس کا لمس محسوس کر سکتی ہے، نہ زبان اس کے ہونے کا احساس کر سکتی ہے اور نہ سونگھنے کی صلاحیت کی مدد سے اس کے بارے میں کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔)

مفضل اب اس بات کو ایک اور طرح سمجھو!.... ہوا بھی لطیف ہے لیکن اسے محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن اسے آنکھ سے دیکھنا ممکن نہیں۔

نوٹ: مادی اشیاء کی حقیقت

آج سائنس مختلف اشیا کے بارے میں ماضی کی نسبت زیادہ آگاہی رکھتی ہے لیکن ان کی حقیقت کو جاننے سے قاصر ہے۔ مثلاً روشنی کے بارے میں آج تک یہ طے نہیں ہوسکا کہ روشنی لہروں کی شکل میں ہے یا ذرات (PHOTONS) کی شکل میں ہے۔

مادّے اور توانائی سے سب واقف ہیں لیکن مادّے کی اصل کیا ہے۔ توانائی کس چیز سے مل کر بنی ہے۔ اس کی شکل وصورت کیسی ہے؟ اس کے بارے میں کسی انسان کو کچھ معلوم نہیں ہے۔

وہ لطیف کیوں ہے حالانکہ اس سے بھی بالاتر ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مُفضل! اگر وہ لوگ کہیں کہ جناب وہ لطیف کیوں ہے اگرچہ وہ اس سے بھی بالاتر ہے؟

تو مفضل! یہ سوال ہی بنیادی طور پر غلط اور مہمل ہوگا۔ اس لیے کہ جو خدا تمام اشیائے عالم کا خالق ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر شئے سے بالاتر اور (ہر شئے کے سوا ہو۔)

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۴۰﴾ [1]

"پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں"

عدم معرفت کا مطلب

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مفضل! "اگر وہ یہ کہیں کہ تم تو اس کی عدم معرفت (اپنی کم علمی کے سبب) اس طرح بیان کرتے ہو کہ جیسے وہ کوئی نامعلوم چیز ہے۔"

(یعنی تم کہتے ہو کہ عقل انسانی اللہ کی ذات کا ادراک ہی نہیں کر سکتی تو اس طرح تو وہ تمہارے نزدیک ایک نامعلوم چیز ہوئی)

تو ان لوگوں کو یہ جواب دیا جائے کہ ہاں ایک طریقے سے تو واقعی ایسا

---

[1] سورہ الروم ۳۰، آیت ۴۰۔

ہی ہے یعنی عقلِ انسانی اس کی ذات کا ادراک نہیں کر سکتی۔

البتہ اگر (اس بات کو) دوسری طرح سے دیکھا جائے تو وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) ہر قریب سے زیادہ قریب ہے (یعنی جب اثباتِ وجودِ خدا کے دلائل کے ذریعے اس کے وجود پر استدلال کیا جائے تو اس کا وجود ایسا ثابت ہے، گویا ہمارے سامنے ہی موجود ہے)

نوٹ: وجودِ خدا کے بہت سادہ دلائل

وجودِ خدا کے دلائل ایسے ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پوری کتاب وجودِ خدا کے دلائل کو آشکار کر رہی ہے۔ ہم صرف چند نکات نوجوان قارئین کے لیے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ زندگی اور موت: ہر شخص کا تجربہ ہے کہ انسان نہ اپنی مرضی سے پیدا ہو سکتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے مر سکتا ہے۔ نہ کوئی انسان بغیر سانس لیے زندہ رہ سکتا ہے، نہ وہ اپنے دل کی دھڑکن روک سکتا ہے۔

۲۔ سورج کا طلوع و غروب: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میرا خدا زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے تو فرعون نے سزائے موت کے ایک قیدی کو بلا کر آزاد کر دیا اور ایک بے قصور آدمی کو قتل کر ڈالا اور کہا کہ دیکھو! میں زندہ کرتا ہوں اور میں ہی مارتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''میرا خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ تم سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھاؤ۔'' یہ بات سن کر فرعون ہکا بکا رہ گیا۔ اس لیے کہ یہ کام کسی انسان، کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے۔

۳۔ یہ سب تو بڑی باتیں ہیں۔ انسان کی بے بسی تو یہ ہے کہ اپنے خوابوں پر بھی اسے اختیار نہیں ہے۔ خواب نہ وہ اپنی مرضی سے دیکھ سکتا ہے اور نہ اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ خواب نہ دیکھے۔

من حیث الوجود، من حیث الماھیہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''تو مفضل! ایک زاویے سے تو اللہ کا وجود واضح اور روشن ہے۔ وہ کسی سے مخفی نہیں ہے (علم من حیث الوجود) اور دوسرے زاویے سے وہ نا قابل شناخت، نا قابل فہم ہے کہ اس کی ذات کو درک نہیں کیا جا سکتا (من حیث الحقیقۃ والماہیہ) یہی حال عقل کا بھی ہے کہ شواہد و دلائل سے اس کا وجود ثابت مگر اس کی حقیقت و ماہیت کسی کو معلوم نہیں۔

کسی شئے کو چار طریقوں سے معلوم کیا جاتا ہے

اب اگر وہ یہ سوال اٹھائیں کہ اشیائے عالم سے اس کا بالاتر ہونا کس طرح معلوم ہوا۔ (یعنی یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پوری کائنات سے ماورا، بالاتر اور ان سب کے سوا ہے؟)

تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ اگر تم کسی شئے کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہو تو اس کے لیے چار طریقے ہیں۔ جب اس شئے کو ان چار طریقوں سے معلوم کیا جائے گا تو اس کی حقیقت کے

بارے میں بات واضح ہوگی۔

(۱) یہ دیکھا جائے کہ کیا وہ شئے موجود ہے یا نہیں؟

(۲) پھر یہ معلوم کیا جائے کہ وہ شئے فی نفسہ کیا ہے؟

(۳) وہ شئے کس طرح کی ہے اور اس کی صفت کیا ہے؟

(۴) یہ معلوم کیا جائے گا کہ وہ کس وجہ اور کس سبب سے ہے؟

نوٹ: چار طریقے

ہم اپنے نوجوان قارئین کے لیے بات کو آسان کر کے بیان کریں.........آپ کسی بھی چیز کی مثال لے لیں۔مثلاً آپ ایک جگہ ایک موبائل فون رکھا ہوا دیکھتے ہیں۔یہ موبائل تو آپ کو دکھائی دے رہا ہے لیکن کیا اس کے سگنلز آپ کو نظر آرہے ہیں؟ کیا آپ کو یقین ہے کہ اس کی بیٹری کام کرے گی؟ کیا اس کے اندر کوئی سم موجود ہے؟ کیا یہ اصلی موبائل ہے یا محض ایک ڈمی ہے؟

موبائل کی حقیقت جاننے کے لیے پہلے آپ کو بہت کچھ معلوم کرنا ہوگا۔آپ اس نظر آنے والے موبائل کو چیک کریں گے۔اس کا وزن، بیٹری اور سم کی موجودگی آپ کو بتائے گی کہ ہاں یہ ایک موبائل فون ہے۔اگر اس میں یہ سب لازمی چیزیں نہیں ہوں گی تو آپ جان جائیں گے کہ یہ دیکھنے میں موبائل لگتا ہے لیکن دراصل یہ کچھ بھی نہیں، البتہ اگر اس موبائل میں مطلوبہ چیزیں موجود ہیں تو آپ یقین کر لیں گے کہ ہاں یہ موبائل ہے۔

یہ تمام طریقے بیکار ہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مُفضل سنو! ان چاروں باتوں (یعنی کسی چیز کو جاننے

کے طریقوں) میں سے کوئی بھی طریقہ ایسا نہیں ہے جس کی مدد سے
مخلوق اپنے خالق کو کامل طور پر معلوم کر سکے۔ سوائے اس کے کہ وہ
اس قدر جان لے کہ ہاں وہ موجود ہے۔"

نوٹ: کتنی چیزیں ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے مگر مانتے ہیں

آپ خواب دیکھتے ہیں لیکن کیا یہ خواب آپ کو اپنی آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے ہیں؟ پھر بھی ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہم نے خواب دیکھا۔ خواب کی حقیقت (زیادہ تر) ایک سراب جیسی ہے کہ ہم خواب سے جاگتے ہیں تو خواب میں جو کچھ دیکھا تھا اس میں سے کچھ بھی ہمارے اردگرد موجود نہیں ہوتا، لیکن ہم مانتے ہیں کہ ہم نے ابھی ان سب چیزوں کو دیکھا ہے! اسی طرح کسی کام کا ارادہ۔ ہم ارادہ کرتے ہیں، اس پر عمل بھی کرتے ہیں تو کیا ہم نے کبھی اپنے ارادے کو دیکھا، سونگھا، چکھا، یا سنا ہے؟ ہم درد اور تکلیف محسوس کرتے ہیں لیکن کیا یہ درد کبھی ہمیں نظر آیا؟

کسی سانحے کا سن کر آپ افسردہ ہو جاتے ہیں تو کیا کبھی اس افسردگی کو آپ نے دیکھا؟

یہ تو وہ کیفیات ہیں جو خود ہم پر گزرتی ہیں۔ اسی طرح بے شمار قوانین قدرت ہیں جن سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی مثال ہم گزشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔

ذاتِ خالق کو جاننا محال ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا:

"مُفضل! اب اگر وہ یہ کہیں کہ وہ کیوں کر ہے اور کیا چیز ہے
تو اس کی کُنہ (حقیقت) کا جاننا اور اسے مکمل طور پر سمجھنا امر محال ہے۔

اور یہ کہنا کہ وہ کیوں اور کس سبب سے ہے تو یہ سوال اللہ جلّ شانہٗ کے حوالے سے بالکل ساقط (بالکل غلط) ہے اسی لیے کہ اللہ جلّ شانہٗ ہر چیز کی علت وسبب ہے، کوئی دوسری شئے اللہ تعالیٰ کے وجود کی علت وسبب نہیں ہے''۔

نوٹ: علت/سبب

یہ دونوں تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں لیکن انہیں سمجھنا ضروری ہے۔ امامؑ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والا وجود کسی دوسرے وجود کا محتاج ہے۔ یعنی بچہ پیدا ہوا تو اس کا سبب وعلت اس کے ماں باپ ہوں گے۔ کوئی عمارت بنے گی تو اس کا سبب بنانے والا اور اس میں استعمال ہونے والا سامان ہوگا۔ پھول کھلے گا تو اس کا سبب اس کا بیج ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شئے علت وسبب نہیں بن سکتی کیوں کہ یہ ساری علتیں اور سبب خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، تو اللہ رب کائنات کے لیے اس طرح کے سوال اٹھانا ہی ایک احمقانہ بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی حقیقت جاننا ضروری نہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''دیکھو مفضل! جب انسان کو معلوم ہوگیا کہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) موجود ہے تو اس کے بعد اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ یہ بھی جان لے کہ وہ اللہ کیا چیز ہے؟ اسی طرح دوسری روحانی ولطیف اشیاء ہیں۔'' (جنہیں ہم نہ دیکھنے کے باوجود مانتے ہیں)۔

نوٹ: مانتے ہیں اگرچہ نہیں جانتے

دیکھئے! نفس اور روح دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ہر انسان کو معلوم ہے کہ اس کے جسم کے اندر یہ دونوں موجود ہیں لیکن کیا کوئی انسان نفس اور روح کی حقیقت کو جان سکتا ہے کہ روح کی حقیقت کیا ہے، نفس کس شکل وصورت کا ہے؟

روح کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن جب کوئی انسان مرتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔ اگرچہ روح کو پرواز کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا؟ موت کو سب جانتے ہیں لیکن موت کی حقیقت کیا ہے، یہ کس شکل وصورت کی ہے؟ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی موت واقع ہوگئی۔

300 سورج جو دکھائی نہیں دیتے

آیئے ذرا فزکس کی دنیا میں چلتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ایک شئے کا نظر نہ آنے کے باوجود موجود ہونا کس طرح ممکن ہے۔ سائنس پڑھنے والے دوست جانتے ہیں کہ اس بیکراں کائنات کے مختلف حصوں میں لاکھوں کھربوں میل لمبے چوڑے گیس کے بادل پھیلے ہوئے ہیں۔ گیس کے ان بادلوں کو نبیولا (Nebula) کہا جاتا ہے۔ نظر آنے والی کائنات میں ایسے عظیم الشان بادل سیکڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ان بادلوں میں سے ایک بادل، جس میں لاکھوں ستارے موجود ہیں، جنہیں ریڈیائی دوربین سے دیکھا جاسکتا ہے، لیکن یہاں کششِ ثقل کی مقدار اتنی ہے کہ سائنسدان کہتے ہیں: ”یہاں سورج جیسے مزید 300 سو ستاروں کا ہونا یقینی ہے۔“

سورج جیسے یہ 300 سو ستارے کسی دوربین اور کسی آلے سے دکھائی نہیں دیتے لیکن سائنس دان کہتے ہیں کہ یہاں کم از کم 300 سو سورج موجود ہیں۔ ان سورجوں کی موجودگی کا پتا صرف ریاضی کے اصولوں سے ہی لگایا جاسکتا ہے اور اس کا ثبوت کششِ ثقل کی زیادتی ہے۔ یہاں موجود کشش ثقل اس مقام پر نظر آنے والے ستاروں کی مجموعی کشش ثقل سے بہت زیادہ ہے۔

نظر نہ آنے والے مادّے کو مانتے ہیں لیکن....

اس طرح کا مادہ اگرچہ موجود ہے لیکن انسانی آنکھ یا کسی سائنسی آلے سے دکھائی نہیں دیتا، سائنس دان تمام تر خلائی ترقی اور اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی کے باوجود اس مادّے کو دیکھنے سے قاصر ہیں لیکن اس مادے کے وجود کو ثابت کرتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ مادہ کائنات میں ہر طرف بکھرا ہوا ہے۔ اس نظر نہ آنے والے مادے پر تحقیق کا آغاز 1971ء میں ہوا تھا۔ اس مادے کو ''ڈارک میٹر'' یعنی نظر نہ آنے والا مادہ کہا جاتا ہے۔

(حوالہ: The Universe/ کائنات: مصنف: سیّد عبداللہ۔)

اللہ تعالیٰ کی ذات اس ساری کائنات کی خالق ہے تو جب انسان اللہ تعالیٰ کی زیادہ تر مخلوقات کو نہیں دیکھ پاتا، اس کے باوجود تمام تر علمی و عقلی دلائل کے ساتھ ان کے وجود کا قائل ہے، تو پھر اس نظر نہ آنے والے مادے کے خالق کو دیکھے بغیر ماننے سے اسے کون سی دلیل روکتی ہے؟

اس مادے کو اگر ایک زاویہ سے دیکھیں تو ایک دھوکا معلوم ہوتا ہے کیوں کہ یہ ظاہر ہے ہی نہیں لیکن علمِ ریاضی کے حساب سے دیکھیں تو اس مادے کا وجود روزِ روشن کی طرح روشن اور واضح ہے۔

باب:11

طبیعت، فطرت، نیچر

اس باب سے امامؑ ایک ایسے موضوع پر روشنی ڈال رہے ہیں جو قدیم ہونے کے ساتھ ساتھ حیاتیات کا جدید موضوع بھی ہے۔ آج سائنس دانوں کی اکثریت اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ دنیا اور کائنات میں جو مخلوقات اور قوانین موجود ہیں انہیں نیچر (NATURE) نے بنایا ہے۔ امام علیہ السلام اس حوالے سے اسلامی نقطہ نظر بیان فرما رہے ہیں۔ ''نیچر'' کے حوالے سے یہ سائنسی مباحث اس سے پہلے شاید اردو زبان کی کسی دینی کتاب میں آپ کی نظر سے نہیں گزری ہوں گی۔

بے معنی کام

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مُفضل! ظاہری علوم کے حامل افراد (مثلاً آج کے سائنس دان) کہتے ہیں کہ طبیعت یعنی نیچر (Nature) کوئی ایسا کام کرتی ہی نہیں جو بے معنی، بیکار یا ناقص ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ تجربہ اور مشاہدہ اس کی گواہی دیتا ہے۔''

(یعنی ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ خلقت کے سارے پُراسرار و پیچیدہ اور حیران کن کام طبیعت (Nature) سرانجام دیتی ہے۔ ہر چیز کی خلقت کا سبب اور خالق اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ یہ ''نیچر'' ہے۔)

''تو مفضل! ایسے لوگوں سے یہ پوچھا جائے گا کہ طبیعت

(Nature) کو عقل و حکمت کس نے عطا کی کہ وہ (ان ہزاروں لاکھوں) مخلوقات کی حدود کو جان سکے اور کسی کام میں حدِّ اعتدال و قابلیت سے آگے نہ بڑھے۔ حالانکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو عقلوں کو بہت سارے تجربات کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتی۔''

نوٹ: نیچر کو کس نے بنایا؟

اپنے نوجوان قارئین کے لیے بات کو آسان کر کے بیان کریں۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنے والوں کا خیال تھا اور ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس میں موجود ہر شئے کو طبیعت (NATURE) نے بنایا ہے اور وہی ان اشیاء کو ڈیزائن کر کے پیدا کرتی ہے۔ مثلاً ایک خوب صورت پھول کھلتا ہے تو یہ نیچر ہی کا معجزہ ہوتا ہے، بچے نشوونما حاصل کرتے ہیں تو یہ نیچر کے مطابق کرتے ہیں۔ موسم بدلتے ہیں تو یہ کام نیچر ہی کرتی ہے۔ یہ گمراہ کن باتیں آج سے دو ہزار سال پہلے بھی کہی جاتی تھیں اور آج بھی اکثر سائنس دان اللہ تعالیٰ کے ''متبادل'' کے طور پر اسی لفظ نیچر (Nature) کو استعمال کرتے ہیں۔

امامؑ نے ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا کہ ان سے پوچھا جائے کہ اگر یہ نیچر ہی خالق ہے تو اشیاء مثلاً مادے، عناصر اور ان کی آمیزش کے بارے میں اسے کس نے بتایا؟ کون سی چیز کن عناصر کی کس آمیزش سے مل کر بنے گی؟ مثلاً پانی میں آکسیجن اور ہائیڈروجن کے مالیکولز میں کون سے ایٹم (Atom) استعمال ہوں گے۔ اس کا ڈیزائن، ساخت، سائز کیا ہوگا؟ اسے نشوونما حاصل کرنے کے لیے کب، کیسے، کس چیز کی ضرورت پڑے گی۔ یہ شئے جو پیدا ہوگی تو یہ زمین کے ماحول میں کیا کردار ادا کرے گی؟ ان سب پُر اسرار و پیچیدہ باتوں کے بارے میں نیچر کو کس نے اطلاع دی؟

جس کا انکار، اسی کا اقرار

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''دیکھو مفضل! اب اگر وہ کہتے ہیں کہ طبیعت (Nature) ایسے تمام کام کرنے پر قادر ہے (یعنی نیچر علم، ارادہ اور قدرت و طاقت رکھتی ہے) تو انہوں نے اسی بات کا اقرار کرلیا جس کا انکار کررہے تھے! (وہ تو کہہ رہے تھے کہ یہ ساری کائنات اور اس میں موجود اشیاء خود بہ خود پیدا ہوئی ہیں، انہیں کسی نے خلق نہیں کیا؟ اب وہ مان گئے کہ انھیں طبیعت (Nature) نے پیدا کیا ہے۔)

اب اگر وہ کہتے ہیں کہ فطرت میں علم، ارادہ اور قدرت موجود ہے تو ہم خالقِ کائنات کی انہی صفات کو بیان کرتے ہیں۔ البتہ وہ اس خالق کو فطرت (Nature) سمجھتے ہیں (اور ہم اس ذات کو خالق، حکیم، قدیر، اللہ، معبود، عالم یا علیم کہتے ہیں۔)

اگر وہ لوگ اس بات سے انکار کریں کہ نیچر میں حکمت، علم ارادہ اور قدرت نہیں پائی جاتی تو پھر تم دیکھو کہ (ہر شئے کی خلقت ،اس کا مادہ، اس کے عناصر کی آمیزش، اس کا پیدا ہونا، نشونما حاصل کرنا اور آخر کار اس کا صفحۂ ہستی سے مٹ جانا یہ) حقائق چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ ہر موجود شئے ضرور کسی ایسے خالق کی پیدا کی ہوئی ہیں جو بڑا حکمت والا (اور صاحبِ علم وقدرت) ہے۔''

نوٹ: ننھے سے بیج سے ہزاروں پیڑ

کیا اس نیچر میں یہ طاقت، قدرت، منصوبہ بندی اور اس قدر پر پیچ کام کرنے کی

صلاحیت ہوسکتی ہے کہ وہ ایک ننھے سے بیج کے اندر ہزاروں لاکھوں پھولوں، پھلوں اور پیڑوں کو محفوظ کر سکے اور یہ سارے پھول، پھل اور پیڑ اس بیج کے اندر اس وقت تک چھپے رہیں جب تک اسے مٹی میں نہ بویا جائے۔

پھر سوال یہ بھی ہوگا کہ ابتداء میں یہ بیج آیا کہاں سے؟ اسے ایجاد کس نے کیا؟ اس کا مادہ کہاں سے حاصل ہوا؟ اس کے اندر مختلف عناصر کس طرح جمع ہوئے؟ اور یہ منصوبہ سازی کس نے کی کہ اس بیج میں کس قدر پھول، پھل اور پیڑ کس طرح اور کب تک چھپے رہیں گے؟

یہ تو ایسے کام ہیں کہ انسان جس کی عقل سب حیوانوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، وہ بھی ان کاموں کو سرانجام دینے سے قاصر ہے۔
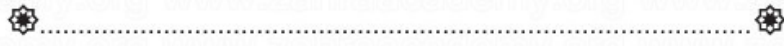
ایب نارمل بچے، خالق کے ہونے کی دلیل

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مُفضل سنو! قدیم ادوار میں کچھ ایسے لوگ موجود تھے جن کا خیال تھا کہ اشیائے عالم (یعنی یہ ساری کائنات) اتفاقاً پیدا ہوگئی ہے جیسے کسی جگہ زمین کسی اور مقصد سے کھودی جاتی ہے اور وہاں اتفاقاً ایک خزانہ نکل آتا ہے۔

اس کے لیے انہوں نے دلیل یہ قائم کی کہ بچے کبھی ناقص (ایب نارمل) پیدا ہوجاتے ہیں۔ کبھی کسی بچے کے ہاتھ میں پانچ کے بجائے چھ انگلیاں ہوتی ہیں یا کوئی بچہ پیدائشی نابینا ہوتا ہے (یا اکثر 2 سر یا چار ٹانگوں والے بچے پیدا ہوتے ہیں)

(ان کا خیال ہے کہ) اگر اشیائے عالم (یعنی مختلف مخلوقات) باقاعدہ کسی ارادے، نظام اور پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت پیدا ہوتیں تو ایسا ہرگز نہ ہوتا اور اگر کوئی خالق ہوتا تو وہ ہر مخلوق کو کامل حالت

میں پیدا کرتا۔(کوئی منتظم و مدبر ہرگز ایسا نہ کرسکتا)۔

"مُفضل! اس بے حقیقت دلیل کو اُس زمانے کے ایک فلسفی ارسطو نے اسی دور میں رد کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس طرح کی کوئی خرابی جو کبھی اتفاقاً ہوجاتی ہے اس کے کچھ خاص اسباب ہوتے ہیں، جو طبیعت (Nature) کو متاثر کرتے ہیں اور اسے اس کے اصل منصوبے سے ہٹا دیتے ہیں۔"

نوٹ: خرابی نظام میں نہیں ہوتی

اس بات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً جدید میڈیکل سائنس بتاتی ہے کہ ایب نارمل بچوں کی بہت سی اقسام کا سبب ماؤں کی شراب نوشی ہوتی ہے۔ بعض اوقات درد روکنے والی کچھ دواؤں کا کثرت سے استعمال بھی ماؤں کے نظامِ تولید میں خرابی پیدا کر دیتا ہے اور پیدا ہونے والے بچے کو متاثر کرتا ہے۔ اسی طرح مَردوں کے معاملات میں بھی ہوتا ہے۔

اس حوالے سے معصومین علیہم السلام کی بہت سی احادیث میں بعض ایام اور اوقات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ ان ایام و اوقات میں افزائش نسل کی کوشش سے گریز کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو پیدا ہونے والا بچہ ذہنی یا جسمانی طور پر ایب نارمل ہوسکتا ہے۔

امامؑ نے ارسطو کا حوالہ دیا ہے، اس نے یہی بات کہی تھی کہ اگر اس طرح کی کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس کے کچھ خاص اسباب ہوتے ہیں جو طبیعت (Nature) کے معمول کے کاموں میں خرابی کا سبب ہوتے ہیں اور نیچر اپنے اصل منصوبے سے ہٹ جاتی ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ خرابی، اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام میں نہیں ہے، اس نظام کے قواعد پر عمل نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

باب:12

قانونِ قدرت (نیچر) کے کام

امام جعفر صادق علیہ السلام ان لوگوں کے اعتراضات کا جواب دے رہے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ یہ ساری کائنات اتفاقاً پیدا ہوئی ہے۔ایسے گمراہ لوگ اپنے نظریے کو درست ثابت کرنے کے لیے ایب نارمل بچوں کی خلقت کی بات کرتے ہیں۔اس اعتراض کا جواب گزشتہ باب میں دیا گیا ہے جس میں امام علیہ السلام نے بتایا کہ کسی بچے کی خلقت میں اس طرح کی خرابی انسان کی دانستہ یا نادانستہ غلطی کے سبب پیدا ہوتی ہے۔یہ سلسلۂ گفتگو ابھی جاری ہے۔

حیوانات کے ایب نارمل بچے کیوں؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اسی طرح حیوانات کے بچوں میں بھی کچھ ایسے ہی اسباب پیدا ہوجاتے ہیں جن کے سبب کبھی کبھی کوئی بچہ ناقص یا ایب نارمل پیدا ہوجاتا ہے لیکن زیادہ تر باقاعدہ اور بالکل درست پیدا ہوتے ہیں تو جس طرح بعض کاموں میں کسی سبب سے کوئی خرابی واقع ہوجاتی ہے تو (ہزاروں درست کاموں میں سے کہیں) ایک خرابی سے یہ نتیجہ نکالنا کہ سب کچھ اتفاقاً پیدا ہورہا ہے، درست نہیں ہے۔اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اشیاء کا کوئی (موجد، خالق

اور) صانع نہیں ہے۔

اسی طرح وہ خرابیاں جو اس طرح کے کاموں میں طبیعت (نیچر) کے معمولات میں کسی سبب سے پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ کبھی اس بات کو ثابت نہیں کرتیں کہ سب کچھ ہی اتفاقاً پیدا ہو گیا ہے۔ جو شخص قانون قدرت (نیچر) میں کسی اتفاق کے سبب رونما ہونے والی غیر معمولی بات کی وجہ سے کہتا ہے کہ (طبیعت یعنی نیچر) کبھی صحیح کام کرتی ہے اور کبھی غلط اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام چیزیں اتفاق سے پیدا ہو گئی ہیں، تو اس کا یہ کلام غلط اور فاسد ہے۔"
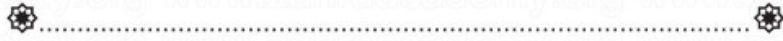
نوٹ: اتفاق بے سبب نہیں ہوتا

اس حوالے سے ہم پہلے کئی مثالیں پیش کر چکے ہیں کہ خرابی قانون قدرت (نیچر) میں نہیں ہوتی بلکہ اس قانون میں کسی بیرونی مداخلت کے سبب پیدا ہوتی ہے۔

مثلاً، آم کی گٹھلی کو آپ میدانی علاقے کے بجائے سمندر کے کنارے ریت میں دبائیں اور اسے پانی بھی دیتے رہیں تو ممکن ہے اس سے ایک پودا نکل آئے لیکن یہ پودا زمین کی نامناسب ساخت کی سبب کبھی بارآور پیڑ نہیں بن سکے گا۔ اس لیے کہ آم کے لیے قانون قدرت یہ ہے کہ اسے میدانی علاقے کی زرخیز زمین میں لگایا جائے گا تو یہ گٹھلی، آم کے بارآور پیڑ میں تبدیل ہوگی۔

اس طرح وہ جڑی بوٹیاں جو پہاڑوں پر اگتی ہیں انہیں صحرا میں اگانے کی کوشش کریں تو ان کی نشونما نہیں ہو سکے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون قدرت یعنی نیچر سے فائدہ اٹھانے کے لیے کچھ شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح کا معاملہ انسانوں اور حیوانوں میں ایب نارمل بچوں کے پیدا ہونے کا

ہے۔ایسے بچوں کا پیدا ہونا اتفاق تو ہوتا ہے لیکن یہ اتفاق بے سبب نہیں ہوا کرتا۔ اس کا سبب قانونِ قدرت (نیچر) سے روگردانی کے علاوہ بھی ہوسکتا ہے جس کا احوال آپ نیچے کی سطروں میں پڑھیں گے۔

طبیعت (NATURE) اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مُفضل سنو! اگر وہ (خدا کا انکار کرنے والے) یہ کہیں کہ جب طبیعت (نیچر) اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے تو پھر اشیائے عالم (انسانوں، حیوانوں اور پیڑ پودوں) میں بعض ناقص اور بعض کامل کیوں پیدا ہوتے ہیں؟

مفضل!.....انہیں یہ جواب دیا جائے گا کہ (اشیائے عالم کے پیدا ہونے، ان کی نشونما حاصل کرنے اور ان کے فنا ہوجانے کے) سارے کام، قانون قدرت (Nature) کے ماتحت ہوتے ہیں لیکن انسانوں کو یہ بھی معلوم رہے کہ اشیائے عالم کا وجود میں آنا طبیعت (Nature) کی اپنی (خواہش، ارادے یا) مجبوری کی وجہ سے نہیں ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اگر طبیعت (نیچر) ہی یہ سارے (حیران کن) کام کرتی ہے تو ہمیشہ ایک ہی جیسا کام کرے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔"

نوٹ: انسان پر واضح رہے

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ طبیعت یعنی نیچر (جیسے قانون قدرت)

کے حیران کن کارناموں کا نظارہ کرنے کے بعد انسان پر واضح رہے کہ طبیعت (Nature) قانون قدرت کے مطابق عمل کرتی ہے اور اس قانون کا قانون ساز اور اس پر عمل درآمد کرانے والا کوئی اور ہے اور وہ خالق کائنات، اللہ جل شانہٗ کی ذات والاصفات ہے

نیچر اگر ہمیشہ ایک ہی جیسے کام کرتی تو ممکن ہے بہت سے لوگ کہتے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے قوانین پر عمل کرنے پر مجبور ہے۔ گویا، اللہ تعالیٰ کے پاس ہر مخلوق کے لیے ایک خاص طرح کی ڈائی، فارمولا یا فرمَا ہے اور ہر مخلوق اس کے مطابق پیدا ہو رہی ہے۔ جب کہ خالق کائنات کسی خاص ڈائی یا فارمولے کا محتاج نہیں ہے، وہ جو چاہتا ہے اور جیسا چاہتا ہے خلق کرتا ہے۔ وہ کس طرح کسی کا مجبور ہوسکتا ہے چاہے وہ خود اس کا اپنا بنایا ہوا قانون ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ جب چاہے اس کائنات کو فنا کردے اور اس کی جگہ نئی کائنات، نئے قوانین، نئے اُصول وضوابط پیدا کردے۔

> ”جس اللہ نے (یہ) سارے زمین وآسمان پیدا کیے (ہیں) کیا وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ ان کے جیسے دوبارہ پیدا کردے ہاں (وہ ضرور قدرت رکھتا ہے) اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا علیم ہے۔“ (سورہ یٰس: ۸۱)

ضروری وضاحت

قارئین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بنائے ہوئے قوانین کا پابند ہے اور کیا وہ اپنے قوانین پر عمل درآمد کرنے پر مجبور ہے؟

یعنی کیا اس کی حکمت، اس کی قدرت کی پابند ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں اس کی قدرت کاملہ۔ اس کی حکمت بالغہ سے ہم آہنگ ہے، متصادم نہیں ہے۔ اس کی قدرت وطاقت، اس کی حکمت کی پابند ہے۔ وہ جو کام سرانجام دے گا، وہ حکمت ومصلحت کے مطابق ہوگا۔ مثلاً اس کی حکمت ومصلحت یہ ہے کہ سورج روزانہ طلوع وغروب

کرے۔تو ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قانون کے برعکس، سورج کو کسی دن طلوع کرے اور کسی دن طلوع نہ کرے۔ اگرچہ وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ سورج کو طلوع نہ کرے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا اور اگر کبھی ایسا ہوا (کہ سورج طلوع نہ کرے) تو یہ اس کی قدرت کاملہ سے ہوگا اور اس کی حکمت و مصلحت کے عین مطابق ہوگا، خواہ اس حکمت و مصلحت کو ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔

سبب ساز وسبب سوز

فلسفے کی زبان میں کہا جاتا ہے کہ کہ خدا، سبب ساز بھی ہے اور سبب سوز بھی۔ یعنی وہ سبب پیدا بھی کرسکتا ہے اور اس سبب کو ختم بھی کرسکتا ہے۔

مثلاً آگ کے اندر اس نے یہ طاقت پیدا کی ہے کہ وہ کسی بھی شئے کو جلا کر خاک کر دے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں ہم دیکھتے ہیں وہ آگ جو ہر شئے کو جلا کر خاک کر دیتی ہے، وہ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے اردگرد موجود رہی لیکن گل وگلزار میں تبدیل ہوگئی۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام بالکل محفوظ رہے۔ آگ جلانے کا سبب ہے لیکن یہاں اللہ نے اس سبب کو ختم کر دیا۔

اسی طرح بچے کے پیدا ہونے کے لیے ماں اور باپ دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ ماں اور باپ بچے کے پیدا ہونے کا سبب ہوتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی۔ ان دونوں واقعات میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں ان کا احاطہ کرنا، عام انسان کے لیے ایک مشکل کام ہے۔

اس کی بہترین مثال امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی کہ دنیا کے بادشاہ بھی قوانین بناتے اور ان پر عمل درآمد کراتے ہیں اور کبھی ان قوانین سے ہٹ کر کچھ کام کرتے ہیں تو رعایا قوانین پر عمل درآمد کرانے یا کبھی ان قوانین کے برعکس کوئی کام کرنے پر بادشاہ پر اعتراض نہیں کرتی اور کرتی بھی ہے تو اس لیے کہ عوام، بادشاہ کی حکمت عملی کا ادراک نہیں رکھتے۔ البتہ حکمتِ عملی کے بدلنے کے فوائد کچھ دیر ہی سے سہی اکثر ان کی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

اللہ نے طبیعت (Nature) کو ایسا بنایا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''تو دیکھو مفضل! یہ سب کچھ (یعنی نیچر کے کاموں میں یکسانی یا عدم یکسانی) اس لیے ہے کہ خالق حکیم و خبیر نے اپنے ارادے اور پہلے سے طے شدہ منصوبے (تقدیر) کے تحت اسے بنایا ہی ایسا کہ یہ (نیچر) زیادہ تر ایک ہی قاعدے قانون پر عمل کرے لیکن کبھی کبھی اس قانون سے کسی قدر ہٹ بھی جائے تا کہ انسان سمجھ سکے کہ طبیعت (نیچر) ہی سب کچھ نہیں ہے اور (انسان یہ بھی سمجھ سکے کہ) یہ قانون فطرت (یعنی نیچر) کسی اور کے تصرف میں ہے

یہ نیچر کسی اور کی تدبیر کی محتاج ہے اور اسے بھی اپنے کام کرنے اور انہیں حد کمال تک پہنچانے کے لیے کسی مالک و خالق کی ضرورت ہے۔''

(یعنی قانون بنانے اور نافذ کرنے والا کوئی اور ہے۔ طبیعت (نیچر) اس قانون بنانے والے کی محض ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے)

❁ یہاں امام جعفر صادق علیہ السلام کا لیکچر: 4 اختتام پذیر ہوا۔ ❁

❁❁❁

اختتام

مفضل ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے مخاطب کیا اور فرمایا:

''مفضل! میں نے جو علوم تمہیں دیے انہیں لے لو اور جو (علمی و عقلی اور منطقی دلائل) تمہیں تعلیم کیے انہیں یاد کرلو اور اپنے پروردگار کا شکر ادا کرو۔ اس کی نعمتوں پر اس کی حمد بجا لاؤ اور اس کے دوستوں کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

میں نے تم سے اس عالم (یعنی کائنات) کے مخلوق ہونے (یعنی عدم سے وجود میں آنے) کی جو دلیلیں اور درستی تدبیر اور ارادے (یعنی خداوند تعالیٰ کی تدبیر و ارادے کے درست ہونے) کے شواہد میں سے تھوڑا سا اور کل میں سے محض ایک معمولی جز بیان کیا ہے، اسے اپنے دل و دماغ میں محفوظ رکھو۔ اس میں خوب غور و فکر کرو اور اس سے عبرت حاصل کرو''۔

(یعنی میرے دیے ہوئے علم کو اپنے غور و فکر اور مشاہدے کے ساتھ اپنے ذہن میں تر و تازہ رکھو۔)

مفضل کہتے ہیں، میں نے عرض کیا! ''مولا! اللہ نے چاہا تو میں آپؑ کی مدد و تائید سے اس امر پر قادر ہوں گا۔ اور اس مطلب تک پہنچ جاؤں گا۔'' (جیسا کہ آپؑ چاہتے ہیں)۔

اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور فرمایا:

''اِحفَظ بِمَشِیَّةِ اللہِ وَلَا تَنسَ اَنْشَآءَ اللہ''

''مشیّتِ خدا سے ان باتوں کو یاد رکھو اور انہیں کبھی نہ بھولو۔
انشاءاللہ۔''

مفضل ابن عمرؒ کہتے ہیں، اس کے ساتھ ہی میں بے ہوش ہو کر گر پڑا جب مجھے ہوش آیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام کے احترام میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے پوچھا: ''مفضل! اب اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟''

میں نے عرض کیا: ''اپنے آقاؑ ومولاؑ کی مدد اور تائید سے اب میں اس کتاب سے مستغنی ہو گیا ہوں جسے میں نے ابھی آپ کے حکم سے لکھا ہے۔ مجھے اب اس اپنی لکھی ہوئی کتاب کو پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ جو آپؑ نے لکھوایا مجھے اس طرح از بر ہو گیا ہے جیسے میں اسے اپنی انگلیوں سے لکھے ہوئے کو پڑھ رہا ہوں۔

(گویا کہ یہ پوری کتاب اسکین ہو کر ذہن میں محفوظ ہو گئی ہے۔)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے زیرِ لب تبسم فرمایا اور کہا:

''مفضل! اپنے دل و دماغ اور عقل و اطمینان کو مجتمع کرلو (یعنی جو کچھ علوم تمہیں عطا کیے گئے ہیں ان پر اچھی طرح غور و فکر کرو) تو میں انشاءاللہ عالمِ ملکوت، زمین و آسمان (یعنی اس نظر آنے والی بیکراں کائنات) اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو عجیب و غریب، عقل کو ششدر کر دینے والی مخلوقات اور ملائکہ کی اقسام و تعداد پیدا کی ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ تک ان کے مقامات و مراتب مقرر کیے ہیں، ان کے علاوہ وہ تمام مخلوقات جن اور انسان (یعنی نظر نہ آنے والی اور انسان جیسی نظر آنے والی مخلوقات) سے لے کر زمین کے ساتویں طبقے اور تحت الثریٰ تک جو جو مخلوقات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، ان سب کا حال تم سے بیان کروں گا، تاکہ تم اس بات

کو سمجھ سکو کہ جو کچھ میں نے تم سے (ان چار دنوں اور چار نشستوں میں)

بیان کیا اور جسے تم نے محفوظ کرلیا، وہ بہت ساری چیزوں کا محض ایک جز ہے۔(یعنی بے شمار حقائق کی محض ایک جھلک ہے۔)

اچھا۔۔۔اب تم جا سکتے ہو۔ البتہ جب تمہارا دل چاہے میرے پاس آتے جاتے رہنا۔ دیکھو! ہمارے نزدیک تمہارا بڑا مرتبہ ہے اور مومنین کے دلوں میں تمہاری قدر ایسی ہے جیسے پیاس میں پانی کی۔

مگر میں نے تم سے (مزید علم عطا کرنے کا) جو وعدہ کیا ہے اس کی درخواست مجھ سے نہ کرنا جب تک کہ میں خود تم سے بیان نہ کروں۔ خدا حافظ و ناصر"۔

مفضل بیان کرتے ہیں کہ میں حضرتؑ کے (دربارِ دُربار) سے وہ شئے (یعنی علم لدنی کی روشنی) لے کر واپس آیا کہ کوئی شخص بھی (کسی دربار سے) ایسی شئے لے کر واپس نہ آیا ہوگا۔

فالحمد للہ اولا و آخرا و ظاھرا و باطنا وھو علی کل شئی قدیر

ترجمہ: حمد و ثناء خدا کے لیے اور یہ حمد و ثناء اوّل بھی ہے اور آخر بھی۔ ظاہر بھی ہے باطن بھی اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔

نوٹ: علم کیسے منتقل ہوا؟

درج بالا سطور میں آپ نے جناب مفضل ابن عمرؓ کا بیان ملاحظہ کیا جس میں انہوں نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا تو میں بے ہوش ہو گیا اور ہوش میں آیا تو پوری کتاب (توحید مُفضل) جو امامؑ نے مجھے لکھوائی تھی وہ میرے ذہن میں محفوظ ہو گئی تھی۔

کئی قارئین شاید اس عمل کو نہ سمجھ سکیں کہ اتنا علم یا اتنی بڑی فائل ایک لمحے میں کسی طرح

مُفضل ابن عمر کے دماغ میں ٹرانسفر ہوئی؟

اس عمل کو سمجھنے کے لیے ایک آسان مثال، موبائل میں موجود ایک اپلی کیشن ''بلوٹوتھ'' کی ہے۔ انگلی کے ایک لمس سے ایک موبائل کا ڈیٹا ایک لمحے میں دوسرے موبائل میں ٹرانسفر ہوجاتا ہے۔

اس بات کو کمپیوٹر کی مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ آج بڑی سے بڑی فائل کمپیوٹر یا موبائل کے ذریعے ''اٹیچ'' کرکے ایک لمحے میں دنیا میں ایک سے دوسری جگہ بھیجی جاسکتی ہے۔

ایسے کاموں کے لیے انسان کو آلات کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ کے نمائندوں کو صرف ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ارادہ کرتے ہیں اور اللہ کے حکم سے وہ کام وقوع پذیر ہوجاتا ہے۔

مفضل بے ہوش کیوں ہوئے؟

جہاں تک جناب مفضل کے بے ہوش ہونے کی بات ہے تو کمپیوٹر استعمال کرنے والے جانتے ہیں کہ بڑی فائل کو وصول کرنے والے کا پروسیسرز اگر کم رفتار (Slow) ہے تو اس کا سسٹم ذرا دیر کے لیے ہینگ (Hang) ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب سسٹم کو اپ گریڈ (Upgrade) کرنا ہوتا ہے یا کوئی نیا ورژن ڈالنا ہوتا ہے تو کمپیوٹر اسے (Reboot) کرنے کو کہتا ہے اور اس مختصر سے عرصے میں ہینگ رہتا ہے۔

آپ معصومینؑ کے حالات میں پڑھتے ہیں جب ایک امامؑ دنیا سے جارہا ہوتا ہے تو وہ علمِ امامت، اَسرارِ امامت بعد والے امامؑ کو منتقل کرتا ہے۔ تو اکثر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسرارِ امامت ایک لمحے میں کس طرح ایک امامؑ سے دوسرے امامؑ تک منتقل ہوجاتے ہیں لیکن درج بالا سطور کے مطالعے سے ہمارے قارئین اس عمل کو کسی حد تک سمجھ چکے ہوں گے۔

ضمیمہ: 1

''امام جعفر صادقؑ اور فطری انتخاب کا نظریہ''

چارلس ڈارون نے جو نظریہ پیش کیا، وہ نظریہ ڈارون سے ہزار سال پہلے بھی موجود تھا۔

چارلس ڈارون ایک برطانوی ماہر حیاتیات تھا۔ ڈارون 12 فروری 1809 میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں کٹر عیسائی تھی جب کہ اس کا باپ ایک آزاد خیال آدمی تھا۔ چارلس ڈارون نے برطانیہ کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے سائنسی تعلیم حاصل کی۔ 1831 میں ایک بحری جہاز کے کپتان نے اسے اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دی تا کہ وہ دنیا کے گرد بحری سفر کے دوران دنیا کے مختلف براعظموں اور جزیروں میں موجود پیڑ پودوں، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کا مشاہدہ کر سکے۔ اس بحری جہاز کا نام (H M S BEAGLE) تھا۔

اس پانچ سالہ بحری سفر کے دوران چارلس ڈارون کو دنیا کے مختلف علاقوں میں موجود مختلف طرح کے پیڑ پودوں، دوسرے ذی حیات اور زمین میں دبے ہوئے قدیم جانوروں کے فوسلز کے مشاہدے اور مطالعے کا بھرپور موقع حاصل ہوا۔

1859 میں چارلس ڈارون نے اپنے مشاہدے، مطالعے اور تجربات کی روشنی میں ایک کتاب شائع کی۔ اس کتاب کا نام تھا ON THE ORIGN OF SPECIES۔ اس کتاب میں اس نے سائنس دانوں کے بہ قول پہلی بار یہ انکشاف کیا کہ تمام مخلوقات میں یہ فطری صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول کے بدلنے کی صورت میں اپنے اعضاء میں تبدیلی پیدا کر سکیں اور یہ تبدیلیاں لاکھوں سال میں واقع ہوتی ہیں۔

اس نے فنچ نامی چڑیوں کی مثال پیش کی۔ فنچ نامی چڑیاں ابتدائی طور پر ایک ہی تھیں لیکن ماحول، غذا اور موسم کی تبدیلی کے سبب ان کی چونچیں ایک دوسرے سے مختلف ہوگئیں۔ اس تبدیلی سے فنچ کی نئی اقسام وجود میں آئیں۔ اس نظریے کو Natural Slection Of Species کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چارلس ڈارون نے یہ خیال بھی پیش کیا کہ ابتداء میں تمام مخلوقات بہ شمول انسان کسی ایک ہی اصل سے پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً انسان کے آباء اجداد ابتداء میں چمپنزی بندر رہے ہوں گے۔ پھر صدیوں کے سفر کے دوران ماحول، غذا اور ضروریات کے بدلنے سے بتدریج موجودہ انسان کی شکل اختیار کر گئے۔

ڈارون کے اس نظریے نے سائنس کی دنیا میں ہلچل مچادی۔ ابتداء میں سائنسی دانوں کے ایک بڑے حلقے نے چارلس ڈارون کے اس خیال کی شدید مخالفت کی لیکن آخرکار فطری انتخاب کے اس نظریے کو جوں کا توں قبول کرلیا گیا۔ اس کے برعکس تمام توحیدی مذاہب، مثلاً عیسائیت، یہودیت اور اسلامی حلقوں نے چارلس ڈارون کے نظریے (کہ انسان بندر کی اولاد ہے) کو یکسر مسترد کردیا۔ دینی و مذہبی حلقوں نے ڈارون کے نظریات کو مسترد بھی کیا اور اسے بہت برا بھلا بھی کہا گیا لیکن ڈارون کے نظریات کے مقابل، ابتدائے حیات کے حوالے سے کوئی متبادل اور قابلِ قبول نظریہ پیش نہیں کیا گیا۔

توحید مفضل کا یہ ضمیمہ اسی موضوع کے حوالے سے پیش کیا جارہا ہے۔ ان صفحات پر ہم اپنے قارئین کو بتائیں گے کہ چارلس ڈارون نے 1859 میں فطری انتخابات (NATURAL SLECTION) کا جو نظریہ پیش کیا، وہ اس کا ذاتی نظریہ نہیں تھا، حقیقت یہ ہے کہ نظریہ ساتویں صدی عیسوی سے بھی پہلے دنیا میں موجود تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے توحید مفضل کے پہلے اور چوتھے لیکچر میں فطری انتخاب، مخلوقات کے اعضا میں فطری تبدیلیوں اور فطرت، طبیعت یعنی NATURE کے حوالے سے تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس موضوع پر اس وقت گفتگو فرمائی جب پورا یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور چارلس ڈارون کے پیدا ہونے میں ابھی گیارہ سو سال کا فاصلہ تھا۔

فطری انتخاب کا نظریہ

ہماری خواہش ہے کہ جن دوستوں نے ''توحید مفضل سائنسی تشریحات کے ساتھ'' کی تین جلدوں کا مطالعہ کیا ہے وہ ان تین لیکچرز کو دوبارہ غور سے پڑھیں۔ آیئے پہلے توحید مفضل کے پہلے لیکچر پر نظر ڈالتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام انسانی جسم کے اعضا کی خلقت کے بارے میں گفتگو فرما رہے ہیں۔

''مفضل اب اگر تم ان تمام اعضاء ان کی بناوٹ کارکردگی اور جسم کے اندر ان کے مقام پر غور وفکر کروگے تو سمجھ جاؤ گے کہ ہر عضو ایک خاص مصلحت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اور جسم کے ہر عضو کا دوسرے عضو سے ایک خاص رشتہ اور رابطہ ہے۔ یہ تمام اعضا مل کر انسانی جسم کی تشکیل کرتے ہیں اور انسان کو وہ تمام سہولتیں فراہم کرتے ہیں جن کی اسے زندگی گزارنے کے لیے ضرورت ہے۔''

(لیکچر:1 صفحہ 74)

کیا یہ اعضاء خودبخود بن جاتے ہیں

امامؑ کے باتیں سن کر مفضل ابن عمرؓ نے عرض کی۔ ''آقا! کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سب باتیں طبیعت (نیچر) کے سبب پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی جس مخلوق کو جس طرح کے اعضا کی ضرورت ہوتی ہے، (ویسے اعضاء) خود بہ خود بن جاتے ہیں۔''

(یعنی ان میں یہ فطری صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ بدلتی ہوئی غذائی ضروریات اور ماحول کے مطابق اپنے اعضا میں تبدیلی پیدا کرسکیں۔)

آپ غور فرمائیں کہ مفضل ابن عمر نے مخلوق (انسان، جانور، پیڑ پودوں) کے بارے میں امامؑ سے مخلوقات کے فطری انتخابات (NATURAL SLECTION OF SPECIES) کے حوالے سے سوال کیا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فطری انتخاب یا نیچرل سلیکشن کا یہ نظریہ ساتویں صدی عیسوی سے پہلے بھی دنیا میں موجود تھا۔ اسی لیے جناب مفضل نے کہا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے......

یعنی نیچر کو خدا سمجھنے والے قدیم زمانے میں بھی یہ سمجھتے تھے کہ مخلوقات میں ماحول اور غذا کے بدلنے کی صورت میں اپنے اعضا میں حسب ضرورت تبدیلیاں لانے کی فطری (نیچرل سلیکشن کی) صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مفضل ابن عمر کو تفصیلی جواب دیا اور یہ بھی بتایا کہ خود نیچر کیا ہے۔

طبیعت (Nature) کیا ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

> ''مفضل! ایسے لوگوں سے سوال کیا جائے کہ کیا طبیعت (نیچر) جو اس قدر عظیم اور با مصلحت کام اس قدر باریک بینی سے سرانجام دیتی ہے تو کیا وہ علم ارادہ اور قدرت بھی رکھتی ہے یا وہ بے شعور بے ادراک ہے؟ اس میں علم ہے نہ ارادہ اور نہ قدرت۔ اب اگر وہ کہتے ہیں کہ اس میں علم ارادہ اور قدرت موجود ہے تو انہیں خلق کرنے والی ذات (یعنی اللہ) کو ماننے سے کیا چیز روکتی ہے؟

(یعنی خدا کی ذات کا انکار کرنے والے یہی تو کہتے ہیں کہ یہ ساری کائنات خود بہ خود پیدا ہوگئی ہے! تو اگر اب وہ یہ کہتے ہیں کہ ایسا طبیعت (نیچر) کی وجہ سے ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسی پیدا کرنے والے کے وجود کو مان گئے۔)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اور اگر یہ اللہ کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ طبیعت (نیچر) بے علم، بے ارادہ اور بے قدرت ہے اور بغیر کسی علم و قدرت کے چیزوں کو بناتی ہے تو یہ امر محال ہے کہ بے عقل، بے ارادہ اور بے قدرت شے اس قدر علم و حکمت، مصلحت و باریک بینی کے ساتھ کسی باشعور و ادراک شئے (مثلاً کسی انسان، جانور یا درخت) کو تخلیق کرلے۔'' (لیکچر ا، صفحہ 79-80۔)

یقین ہے کہ قارئین اس بات کو سمجھ چکے ہوں گے کہ فطری انتخاب کا نظریہ جسے ڈارون سے منسوب کیا جاتا ہے، ڈارون سے گیارہ سو سال پہلے بھی موجود تھا۔ اگر کسی دوست کے ذہن میں کوئی شک وشبہہ موجود ہے تو وہ توحید مفضل کے ان لیکچرز کو گوگل سرچ پر جاکر عربی، انگلش اور فارسی زبان میں دیکھ سکتا ہے۔ یہ گزارش ہم نے اس لیے کی ہے تاکہ کوئی شخص اس تحریر کو پڑھے تو یہ سمجھ کر آگے نہ بڑھ جائے کہ ہم نے یہ ساری باتیں امام جعفر صادق علیہ السلام سے محض عقیدت کے سبب لکھی ہیں۔ عقیدت کا پہلو اپنی جگہ ہے لیکن ہم نے جو دعویٰ کیا ہے اس کے واضح دلائل بھی پیش کیے ہیں جنہیں کوئی بھی قاری ''توحید مفضل'' کے عربی متن سے چیک کرسکتا ہے۔

ڈارون کی خدمات سے انکار نہیں

فطری انتخاب کا نظریہ اگرچہ چارلس ڈارون سے بھی ہزار سال پہلے بھی موجود تھا لیکن حیاتیات کے اس موضوع پر اس کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ زندگی کے اس راز کو سمجھنے کے لیے اس نے اپنی آرام و آسائش کی زندگی چھوڑ کر پانچ سال تک کے لیے سخت تکلیف دہ بحری سفر اختیار کیا۔ اس سفر کے دوران اس نے دنیا کے مختلف ملکوں، براعظموں اور سمندروں میں موجود بہت سے جزیروں میں وقت گزارا۔ اس کے بعد اس نے اپنے پانچ سال کے مشاہدات اور تجربات کو قلم بند کیا اور ان پر غور

وفکر کرکے اس نے پہلی بار ''مخلوقات میں فطری انتخابات'' کے اسی نظریے کے مشاہداتی ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیےاور یہ علمِ حیاتیات کا وہ موضوع تھا جس کی طرف قرآن مجید نے سب سے پہلے ہم مسلمانوں کومتوجہ کیا تھا۔

(اے رسول ان لوگوں سے) کہہ دو کہ ذرا زمین پر چل پھر کرتو دیکھو (یعنی یہ جاننے کی کوشش کرو) کہ اللہ نے مخلوق کوابتداء میں کس طرح پیدا کیا۔ پھر (اسی طرح وہی) اللہ قیامت کے دن آخری پیدائش کرے گا۔ (سورہ عنکبوت، آیت ۱۹)

ماحول اورغذا کے مطابق اعضا

ماحول اور غذا کے مناسبت سے اعضا میں تبدیلی کی بے شمار مثالیں ہماری روزمرہ کی زندگی میں بھی دیکھنے کوملتی ہیں مثلاً ایک بچہ جب رحم مادر میں ہوتا ہےتواس کی غذا کسی اورطرح کی ہوتی ہےاور اسی مناسبت سے اس کے اعضا بھی۔ جب وہ شیر خواری کی عمر میں ہوتا ہےتواس کے منہ میں دانت نہیں ہوتےلیکن جب اس کے لیےنسبتاً ٹھوس غذا ضروری ہوجاتی ہےتو اس کے منہ میں دانت نکل آتے ہیں۔ پھرآپ دیکھیں کہ زندگی کے ساٹھ، ستر یا سوسال کے دوران ہر مرحلے میں، اس کے اعضاء میں مسلسل تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔اوروہ انسان جس کا آغاز رحم مادر میں دو نادیدہ لیکن بارآور خلیوں کے ملنے سے ہوا تھا، زندگی کے خاتمے سے پہلے پہلے ایک بالکل ہی مختلف طرح کی مخلوق بن جاتا ہے۔

تمام جانداروں (مثلاً حیوانات ونباتات) میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔اس کی بہت دلچسپ مثال بھنبھیری (Dragan Fly) کی زندگی ہے۔بھنبھیری پانی میں انڈے دیتی ہے۔ یہ انڈا چند دنوں بعد کچھ اورشکل اختیار کرکے خودکوایک سخت خول میں محفوظ کرلیتا ہے اور پانی کے اندر ہی سے ننھے منے جانداروں کوپکڑکرکھاتا رہتا ہے۔

اگلے مرحلے میں یہ ایک جھینگر جیسی شکل اختیار کرلیتا ہےلیکن پانی ہی میں رہتا ہے۔اس کے

کچھ عرصے بعد ایک اور مرحلے سے گزر کر یہ جھینگر جیسی چیز ایک رنگ برنگی بھنبھیری میں تبدیل ہو جاتی ہے اور باقی زندگی پانی کے بجائے ہوا میں پرواز کرتے ہوئے گزارتی ہے۔

اس کی زندگی کے ان مختلف مرحلوں میں اس کے اعضا ماحول اور غذا کی مناسبت سے اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہ ساری تبدیلیاں قانون قدرت یعنی نیچر کے مطابق رونما ہوتی ہیں اور یہ تبدیلیاں لاکھوں سال میں نہیں چند ہفتوں میں رونما ہوتی ہیں۔

طبیعت (نیچر) اللہ تعالی کا بنایا ہوا ایک نظام ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل دیکھو! اصل بات یہ ہے کہ تمام مخلوقات اللہ رب کریم کی پیدا کردہ ہیں اور جسے یہ لوگ (مثلا سائنس دان) نیچر (Nature) کہتے ہیں، یہ اللہ تعالی کا بنایا ہوا ایک نظام ہے جسے اس نے اپنی (حکمت کاملہ سے) مخلوقات جاری کیا ہے۔" (لیکچر ا، صفحہ 80۔)

نوٹ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے پہلے لیکچر میں نیچر کے بارے میں مختصراً بات کی ہے لیکن اپنے چوتھے لیکچر میں نیچر کو خدا سمجھنے والوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اس موضوع پر بہت تفصیل سے بات کی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ سائنس کے اساتذہ اور طلبہ توحید مفضل کے چوتھے لیکچر کے آخری ابواب کا بغور مطالعہ کریں۔ (یہ لیکچر اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے)

ضمیمہ 2:

چارلس ڈارون کا نظریہ ارتقاء

چارلس ڈارون کے اس نظریے کے حوالے سے ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ یہ نظریہ چارلس ڈارون کے پیدا ہونے سے ہزار سال پہلے بھی موجود تھا۔ چارلس ڈارون اس نظریے کا بانی نہیں ہے۔

نظریے کی سچائی سے بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی بے شمار مثالیں قرآن میں بھی موجود ہیں کہ یہ کائنات اچانک ہی اس حالت میں نہیں آئی جس حالت میں یہ آج ہمیں دکھائی دے رہی ہے۔ کائنات اور پھر نظام شمسی کے وجود میں آنے کا سارا عمل بتدریج وقوع پذیر ہوا۔

۱۔ ''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان میں ہے سب کو چھ دن میں بنایا۔'' (سورہ ق، ۳۸۔)

۲۔ ''کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔'' (سورہ اعراف، ۵۶۔)

حضرت آدمؑ کی تخلیق

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی ایک ارتقائی عمل کے ذریعے ہوئی لیکن اس طرح نہیں جیسا کہ چارلس ڈارون کا خیال ہے کہ انسان پہلے بندر تھا پھر ایک ارتقائی عمل سے گزرتے گزرتے لاکھوں سال میں موجودہ انسان کی شکل اختیار کر گیا۔ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کے آنے سے پہلے ممکن ہے انسان سے

ملتی جلتی کوئی مخلوق آباد رہی ہو لیکن یہ اولاد آدم یعنی انسان نہیں تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں جو ارتقائی مراحل نظر آتے ہیں وہ کچھ اس طرح سے ہیں۔

ا۔ ''اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتے سڑتے ہوئے گارے (مٹی) سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔'' [۱]

۲۔ اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر پیدا کیا۔'' [۲]

۳۔ جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔'' [۳]

۴۔ ''پھر اس کی نسل حقیر پانی کے نچوڑ سے پیدا کی۔'' [۴]

۵۔ ''پھر نطفے سے جمے ہوئے خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے سے گوشت کا ٹکڑا بنایا تو گوشت کے ٹکڑے کی ہڈیاں بنائی۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اسے (ایک بالکل ہی) نئی صورت میں بنا دیا۔'' [۵]

۶۔ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی (ایک حیران کن نشانی) ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر یکایک تم آدمی بن کر چلنے پھرنے لگے۔'' [۶]

---

[۱] الحجر، ۲۸۔

[۲] سورہ المومنون، ۱۳۔

[۳] سورہ السجدہ۔

[۴] السجدہ، ۸۔

[۵] سورہ مومنون، ۱۴۔

[۶] سورہ روم، ۲۰۔

۷۔ ”لوگو.... اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص (یعنی آدمؑ) سے پیدا کیا۔ اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے بہ کثرت مرد و عورت پیدا کر کے زمین پر پھیلا دیے۔“ [۱]

حضرت آدمؑ کی تخلیق احادیث کے مطابق

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مراحل احادیث میں بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً:
اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیلؑ کے ذریعے مختلف طرح کی مٹی منگائی اس مٹی کو پانی میں گوندھا گیا۔
پھر اس میں خمیر پیدا کرنے کے لیے ایک عرصے تک چھوڑ دیا گیا تا کہ اس میں چپکنے کی کیفیت پیدا ہو جائے۔
اس کے بعد اس کا ایک پتلا بنایا اور پھر اسے سوکھنے کے لیے ایک عرصے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ حتیٰ کہ اس میں ٹھیکرے کی سی کھنکھناہٹ پیدا ہوگئی۔ پھر اس میں روح داخل کی گئی۔ [۲]

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ان مراحل میں سے ہر مرحلہ کتنے عرصے پر محیط تھا اس کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی یہ مٹی تخلیق کے ان ارتقائی مراحل سے گزر کر ہی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام میں تبدیل ہوئی۔

واضح رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نوزائیدگی، بچپن، لڑکپن کے مرحلوں سے نہیں گزرے بلکہ براہ راست جوان مرد پیدا ہوئے۔

”اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر یکا یک تم آدمی بن کر چلنے پھرنے لگے۔“ [۳]

---

[۱] سورہ النساء۔

[۲] حاشیہ قرآن، سورہ بقرہ، مترجم: مولانا فرمان علی مرحوم۔

[۳] سورہ روم، ۲۰۔

(اس موضوع کے حوالے سے مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں تو ہماری کتاب ''DNA جسم کی کتاب ہدایت'' کا مطالعہ فرمائیں)

بندر کی جسمانی ساخت اور اس کی حکمتیں

انسان اور بندر میں بہت سے مشترکات کے باوجود یہ ایک دوسرے سے مختلف دو الگ الگ طرح کی مخلوقات ہیں اس بارے میں توحید مفضل کے دوسرے لیکچر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ پڑھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: ''اب ذرا بندر کے بارے میں غور کرو کہ یہ انسان سے کس قدر مشابہ ہے (لیکن انسانی صفات و خصوصیات سے محروم) تم دیکھو گے کہ بندر کے زیادہ تر اعضا انسانی اعضا جیسے ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً اس کا سر، دونوں بازو، سینہ، دودھ پلانے کے اعضا، حتیٰ کہ اس کے اندرونی اعضا بھی انسان کے اندرونی اعضا سے مشابہہ ہوتے ہیں۔

پھر اسے ایک خاص طرح کی ذہانت اور چالاکی بھی دی گئی جس کے ذریعے یہ اپنے مالک (سدھانے والے) کے اشاروں اور آوازوں کو سمجھتا ہے۔ انسانوں کی نقل اتارتا ہے۔ یہ جانور بہت سی انسانی خصلتوں کو اختیار کر سکتا ہے اور اپنی جسمانی ساخت میں بھی انسان سے بہت ملتا جلتا ہے۔''

بہت شکر ادا کرنا چاہیے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''انسان کو اس بات پر غور کرنا چاہئے اور اپنے خالق کا بے

پناہ شکر گزار ہونا چاہیے۔ اسے سوچنا چاہیے کہ دوسرے حیوان بھی
میری طرح اللہ کی مخلوق ہیں اور میں بھی انھی حیوانوں کی طینت اور
مادّے سے بنا ہوں لیکن ان حیوانوں، مثلاً بندر کے مقابلے میں اللہ
نے مجھے کس قدر عظیم فضیلتوں سے سرفراز کیا ہے۔''
(توحید مفضل۔ لیکچر:2)

نوٹ: انسان اور بندر

کسی مخلوق کا انسان یا جانور بننا اس کے DNA پر موجود (Gens) پر منحصر ہوتا ہے۔ ہر جانور کا DNA الگ طرح کا ہوتا ہے لیکن ان میں کسی قدر یکسانی بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً انسانوں میں 99.9 فی صد جینز (Gens) دوسرے انسانوں جیسی ہوتی ہیں۔ جب کہ انسان اور بندر کی 98.5 فی صد جینز یکساں ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان اور چوہے کی 90 فی صد جینز ایک جیسی ہوتیں ہیں۔ یعنی اگر انسان کی جینز صرف 2% مزید یکساں ہوتی تو انسان، انسان کی بجائے ایک بندر جیسی مخلوق ہوتا۔
(حوالہ: DNA جسم کی کتاب ہدایت)۔

انسان کو غور کرنا چاہیے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:
انسان کو چاہیے کہ وہ غور کرے کہ وہ بندر سے کس قدر مشابہ لیکن اللہ کی
نعمتوں اور احسانات کے سبب کس قدر مختلف اور بندر کے مقابلے میں
کس قدر با فضیلت ہے۔ اگر دماغ، عقل اور قوت گویائی میں انسان کو
دوسرے حیوانوں پر فضیلت نہ دی جاتی تو انسان بھی، آدمی کی بجائے

محض ایک جانور ہوتا۔" (زیادہ سے زیادہ بندر جیسا ایک جانور) ﷺ

(توحید مفضل۔ لیکچر:2)

نوٹ: انسان نما حیوان

بن مانس، چمپینزی اور دوسرے بندروں میں انسانوں سے ملتی جلتی کئی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ تمام بندر اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو انسان کی طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ یعنی ان کا انگوٹھا ہاتھ کی دوسری انگلیوں سے مل سکتا ہے۔ اگر انسان کے ہاتھ میں انگوٹھا نہ ہوتا ایسی صورت میں صرف انگلیاں بہت کم کام کر سکتی تھیں۔

بندروں کی ٹانگ کی ہڈیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ٹانگوں کو بالکل سیدھا نہیں کر پاتا۔ اسی وجہ سے وہ سیدھا کھڑا نہیں رہ سکتا۔ انسان کی طرح بندروں کی ہتھیلی اور پیر کے تلووں پر بال نہیں ہوتے۔ تمام بندر غول بنا کر زندگی گزارتے ہیں۔ اس غول کا ایک سردار ہوتا ہے غول کے بندر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ بندر اپنی جذبات کو انسانوں کی طرح اپنے چہرے سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ دوسرے چوپائے مثلاً گائے، بھینس، بکری وغیرہ کے چہرے جذبات کے اظہار سے عاری ہوتے ہیں۔

بندروں کی ریڑھ کی ہڈی انسانوں کی طرح خم دار نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے یہ زیادہ دیر دو پاؤں پر کھڑے نہیں رہ سکتے اور بے شمار فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے باوجود ماہرین حیاتیات کے مطابق بندر، انسان کے سوا دوسرے تمام حیوانوں سے زیادہ ترقی یافتہ جانور ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے بندروں کی زبان، منہ، دانت، ہونٹ انسانوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن یہ انسانی آواز کی نقل نہیں اتار سکتے۔ جب کہ گرے پیرٹ، مینائیں اور طوطے جن کی زبان چھوٹی ہوتی ہے۔ ان کے ہونٹ نہیں ہوتے اس کے باوجود انسانی آواز و الفاظ کو بالکل انسانی لہجے میں ادا کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ چمپینزی نسل کے بندروں میں، دوسرے بہت سے کام سیکھنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور وہ یہ سارے کام وہ بالکل انسانوں کی طرح سرانجام دے سکتے ہیں۔

بندر کے جسم میں کچھ اضافے بھی ہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! انسانوں سے مشابہت کے ساتھ ساتھ بندروں کے جسم میں کچھ اضافے بھی ہیں۔ مثلاً اس کا دہانہ، دم اور جسم پر بال..... جو بندر کے لیے اس کے لباس کا کام دیتے ہیں۔ اگر بندر کو انسانوں کی طرح عقل وشعور، ذہانت اور گویائی کی طاقت دے دی جاتی تو یہ باتیں اس کے انسان سے مشابہ ترین ہونے میں مانع نہ ہوتیں۔" (''توحید مفضل سائنسی تشریحات کے ساتھ''، جلد ۲۔)

❀❀❀❀❀

ضمیمہ: 3

توحید مفضل کے چار لیکچر

توحید مفضل کے چار لیکچر میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی جو گفتگو آپ کی نظر سے گزری، اس کا ہر حصہ اس قابل ہے کہ اسے غور سے پڑھا جائے اور سائنس کے مختلف شعبوں کے اساتذہ اس کی تشریح بیان کریں۔

اس سلسلۂ گفتگو میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے وجود خدا کے لیے کسی جگہ قرآن و حدیث کے حوالے نہیں دیے۔ اس کے برعکس آپ نے آثار کائنات، قوانین فطرت اور عقل و منطق کی بنیاد پر دلائل ارشاد فرمائے اور ایک ایسے وقت (یعنی ساتویں صدی عیسوی) میں جب سائنس دان تو کیا سائنس کی اصطلاح بھی موجود نہیں تھی۔ ان مشہور و معروف مسلمان فلسفیوں اور مسلمان سائنس دانوں کے پیدا ہونے میں بھی ابھی کئی صدیوں کا فاصلہ تھا جن کے نام ہمارے معاشرے میں بڑے فخر سے لیے جاتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ علمی و سائنسی گفتگو اسلامی علوم وفنون کا بیش قیمت خزانہ ہے لیکن ہم مسلمانوں نے اس تہہ در تہہ علمی خزانے سے استفادہ کی کوشش ہی کرنا گوارہ نہ کیا۔ کسی نے تعصب کے سبب اور کسی نے اپنی بے خبری کے نتیجے میں۔

ان صفحات پر ہم قارئین کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے معجزانہ کلام کے ایک اور حصے کی طرف متوجہ کرنا چاہیں گے۔ اس موضوع کے حوالے سے نزول قرآن سے صدیوں پہلے اور صدیوں بعد تک کسی انسانی تہذیب، معاشرے یا کسی انسان کو سرسری سا بھی علم نہیں تھا۔۔۔اور وہ موضوع ہے۔

افزائش نسل کے حیران کن طریقے

امام جعفر صادق علیہ السلام حیوانات کی افزائش نسل کے حوالے سے گفتگو فرمارہے ہیں اس موضوع پر بات کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا:

"مفضل! یہ تو افزائش نسل کا ایک طریقہ ہے (کہ بچے، ماں اور باپ کے اختلاط سے پیدا ہوں۔) لیکن اب ذرا اُن جانداروں پر بھی غور کرو جن کی نسل کی بقاء کے لیے ماں باپ دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری نہیں۔ان جانداروں کی پیدائش خاص مادوں کے جمع ہونے اور اس میں ایک خاص قوت پہنچ جانے کے عمل سے مکمل ہوجاتی ہے۔ان جانداروں میں نر و مادہ کے درمیان تمیز نہیں کی جاسکتی۔ مثلا زنبور (اور بہت سے حشرات) انہیں دیکھو تو (ظاہراً) معلوم کرنا مشکل ہوگا کہ کون نر ہے اور کون مادہ۔" (مثلاً، مچھر، مکھی، چیونٹی)

(توحید مفضل سائنسی تشریحات کے ساتھ۔لیکچر:1)
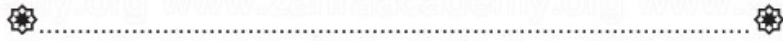
نوٹ: مادّوں کے جمع ہونے سے پیدائش

امامؑ نے اس حوالے سے جو حیران کن انکشافات فرمائے ان سب کا احاطہ کرنا تو ہمارے لیے ممکن نہیں ہے لیکن اس کی دو مثالیں ایسی ہیں جن کے بارے میں آج سائنس پڑھنے والے بچے بھی جانتے ہیں اور وہ ہیں بیکٹیریا اور وائرس۔

1683 عیسوی تک ان کے بارے میں دنیا کا کوئی انسان کچھ نہیں جانتا تھا۔بیکٹیریا کو سب سے پہلے ہالینڈ کے ایک بیدار مغز انسان "انتھونی وون لیون" نے اپنے محدب شیشے کی مدد سے دیکھا اور انیسویں صدی عیسوی میں جرمنی کے ماہر حیاتیات رابرٹ کاخ نے ثابت کیا کہ بعض بیکٹر یا بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔

بیکٹیریا نامی مخلوق پر ایک نظر

بیکٹیریا ایک خلیے (Cell) والی مخلوق ہے اور خود اپنے بل بوتے پر زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ دنیا میں کوئی جگہ حتی کہ دوسرے سیارے اور ستارے بھی بیکٹیریا سے خالی نہیں ہیں۔ یہ ہر جگہ، ماحول، اور ہر درجۂ حرارت میں زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ برفانی علاقے اور آتش فشانی چٹانیں بھی ان سے خالی نہیں ہیں۔ سائنس دانوں کے مطابق بیکٹیریا زندگی کی ابتدائی شکل ہیں۔ یہ بیکٹیریا کہاں سے آئے؟ اس کا جواب کسی سائنس دان کے پاس نہیں ہے۔

ایک بیکٹیریا سے دوسرا بیکٹیریا پیدا ہوتا ہے

بیکٹیریا میں نر و مادہ نہیں ہوتے، یہ بس ایک مخلوق ہوتے ہیں اور ایک بیکٹیریا سے دوسرا بیکٹیریم پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ان کا جسم موٹی سی جھلی سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ ان کے جسم میں نہ منہ ہوتا ہے، نہ کوئی سوراخ۔ اس کے باوجود یہ دنیا کی کم و بیش ہر چیز کو کھا پی کر چٹ کر جاتے ہیں۔ یہ چیزوں کو کھانے کے لیے مختلف کیمیکلز اور اینزائمز (خامروں) کا استعمال کرتے ہیں، جن کی وجہ سے گوشت لکڑی، پھل، انسانوں اور جانوروں کے جسم، تیل، گوبر، ڈیزل، انسانی فضلہ، ہر چیز سیال مادے میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ سیال مادہ بیکٹیریا کے جسم کے بیرونی جھلی کے اندر جذب ہو جاتا ہے۔

بیکٹیریا اپنی نسل میں انتہائی تیزی سے اضافہ کرتے ہیں۔ مثلاً ای کولائی (E.Coli) نامی بیکٹیریا بیس منٹ بعد ایک سے دو ہو جاتے ہیں اور اگلے بیس منٹ میں چار۔ ان کی افزائش نسل میں اگر اسی رفتار سے اضافہ ہوتا رہا ہے تو اس حساب سے صرف 43 گھنٹوں میں ان کی تعداد اتنی ہو جائے گی کہ یہ پورے کرۂ ارض کو ڈھک دیں گے۔ یعنی یہ بیکٹیریا زمین کے 1,090,000,000,000,000,000,000 کیوبک میٹر کے علاقے پر پھیل جائیں گے اور اگر انہیں مزید دو گھنٹے اسی رفتار سے افزائش نسل کرنے کے مواقعِ فراہم رہیں تو ان کا وزن زمین کے مجموعی وزن، 600,000,000,000,000,000,00 ٹن کے برابر ہو جائے گا۔ لیکن اللہ کا بنایا ہوا ایک نظام ان کی تعداد کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔

ایک اور مثال..... وائرس

جہاں تک وائرس کا تعلق ہے تو اللہ کی یہ مخلوق بیکٹیریا سے بھی زیادہ حیران کن خصوصیات رکھتی ہے۔ وائرس کا پتا ہالینڈ ہی کے ایک ماہر نباتیات مارٹینس نے اٹھارویں صدی میں ایک تحقیق کے دوران لگایا۔ وائرس بیکٹیریا کی طرح کی مخلوق نہیں ہے لیکن ان میں بھی افزائش نسل کے لیے نر و مادہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وائرس محض کچھ کیمیکلز کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ انہیں اپنی نسل کو بڑھانے کے لیے کسی ذی حیات کے جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ذی حیات پیڑ، پودے، جانور، انسان حتیٰ کہ بیکٹیریا بھی ہو سکتے ہیں۔

وائرس کسی بھی ذی حیات کے جسم میں داخل ہو کر اس کی حیاتیاتی مشینری کو کنٹرول کر لیتے ہیں اور اس کی مدد سے اپنی افزائش نسل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وائرس کے اندر ایک DNA یا RNA ہوتا ہے۔ وہ اپنے DNA کو ذی حیات کے خلیے میں داخل کر کے اپنے کاپیاں بنانا شروع کر دیتے ہیں۔

(جیسا کہ امامؑ نے فرمایا کہ ان جانداروں کی پیدائش خاص مادّوں کے جمع ہونے اور اس میں ایک خاص قوت پہنچ جانے سے مکمل ہو جاتی ہے)

ماہرین کہتے ہیں کہ وائرس ایک خاص قسم کی جینز (GENES) کا مجموعہ ہیں جو زندہ خلیوں سے نکلی اور اس سے ایک الگ طرح کے مخلوق وجود میں آ گئی۔

یہ دو مثالیں ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے اس حصے کی وضاحت کے لیے پیش کیں جس میں آپؑ نے مادوں کے جمع ہو جانے اور ان میں ایک خاص قوت کے پہنچ جانے سے افزائش نسل کا ذکر فرمایا تھا۔ اس میں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اس طرح کے جانداروں میں نر و مادہ ہوتے ہی نہیں ہیں۔ یہ سائنسی حقائق جو سائنس دانوں کو محدب عدسے اور پھر طاقتور خردبینوں، خاص طور پر الیکٹرانک مائکرواسکوپ کی ایجاد کے بعد انیسویں صدی عیسوی میں معلوم ہوئے ان سائنسی حقائق کے انکشاف امام جعفر صادق علیہ السلام ساتویں صدی عیسوی میں فرما رہے تھے۔

نرحیوان کا ہونا ضروری نہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ افزائش نسل کے لیے ماں باپ کا ایک ساتھ ہونا ضروری نہیں تو ان کی مثالیں جدید سائنسی دور میں سائنس دانوں کو معلوم ہوئیں۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ کسی جانور کی افزائش نسل کے لیے ماں باپ دونوں کا ہونا ضروری ہے لیکن اس دنیا میں اللہ تعالی نے ایسی مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جو افزائش نسل کے ان اصولوں سے بالاتر ہیں۔ ایسے ذی حیات کو پرتھنیوجینس (PARTHENO GENESIS) ذی حیات کہا جاتا ہے۔ پرتھینوجینس، دراصل یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے، کنواری یا باکرہ یا غیر شادی شدہ۔ اس طرح کے بہت سے ذی حیات اس کرۂ ارض پر موجود ہیں جن میں افزائش نسل کے لیے باپ کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً:

۱۔ ٹرکی مرغی: مرغے کے بغیر بارآور انڈے دیتی ہے۔ ان انڈوں سے جو بچے نکلتے ہیں وہ ہو بہو اپنی ماں کی کاپی ہوتے ہیں۔

۲۔ ہیمر ہیڈ شارک اور ٹپ شارک: یہ مچھلیاں بھی نر مچھلی کے بغیر بچے پیدا کرتی ہیں۔ ان کے DNA ٹیسٹ سے معلوم ہوا کہ بچے کے اندر نر مچھلی کی جانب سے آنے والے کروموسومز موجود ہی نہیں تھے۔

۳۔ بڑی چھپکلیاں: جنہیں ڈریگن کہا جاتا ہے، ان کی بعض اقسام میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

۴۔ بچھو کی بعض اقسام میں بھی یہی خصوصیت پائی گئی ہے۔

افزائش نسل کے دوسرے حیران کن طریقے

۱۔ مچھلیوں کی کئی اقسام ایسی ہیں جو مادہ مچھلی پیدا ہوتی ہیں لیکن بڑے ہونے کے بعد یہ نر مچھلی میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ مچھلیوں کی بعض اقسام افزائش نسل کے ایک موسم میں نر ہوتی ہیں اور اگلے موسم میں مادہ ہو جاتی ہیں۔

ان کے علاوہ سمندر میں ایسی مچھلیاں بھی پائی جاتی ہیں جو پندرہ بیس مادہ اور ایک نر کے گروپ میں رہتی ہیں۔ نر مچھلی کا سائز بڑا ہوتا ہے اور اس کے رنگ بھی زیادہ ہوتے ہیں لیکن اگر نر مچھلی کسی سبب سے مر جائے تو اس صورت میں مادہ مچھلیوں میں سے کوئی ایک مچھلی نر مچھلی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کے رنگ بھی بدل جاتے ہیں اور سائز بھی۔

۲۔ سب سے حیران کن معاملہ کیچوؤں کی بعض اقسام کا ہے۔ ان کیچوؤں کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ہر کیچوے کے جسم میں نر کیچوے کے اعضاء بھی ہوتے ہیں اور مادہ کیچوے کے بھی۔ یعنی ایک ہی کیچوا نر بھی ہوتا ہے اور مادہ بھی۔ (اس حوالے سے تفصیلات جاننا چاہیں تو ہماری کتاب ''DNA جسم کی کتاب ہدایت'' کا مطالعہ فرمائیں۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت تاریخ انسانی کا ایک حیران کن واقعہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ فرمایا ہے اس لیے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا تھا اور یہودی فتنہ پرداز وہ لوگ ہیں جو بی بی مریم سلام اللہ علیہا کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوئے تھے۔ نجران کے عیسائیوں کی مدینے آمد کا واقعہ اور مباہلے کے ذریعے اس کا اختتام قارئین کے علم میں ہے اسے ہم نہیں دہرائیں گے۔ قارئین کے علم میں وہ آیاتِ قرآنی بھی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

> یہ لوگ عیسیٰ ؑ کی بن باپ کے پیدائش پر ایمان نہیں رکھتے اگرچہ آدمؑ کی پیدائش تو اس سے بھی حیران کن ہے کہ انہیں اللہ نے ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا۔ (مفہوم)

گزشتہ صفحات پر آپ وہ سائنسی حقائق پڑھ چکے ہیں اور اس کی مثالیں بھی ہم نے پیش کی ہیں کہ بے شمار مخلوقات ایسی ہیں جو بغیر باپ کے پیدا ہوتی ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ نشانیاں مسلمانوں سے پہلے عیسائیوں اور یہودیوں کو دکھائیں جنہوں نے زمانے کے ایک موڑ پر جناب مریم سلام اللہ علیہا کی شان میں گستاخی کی تھی اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ اپنی ضد، اپنے مذہبی رہنماؤں کی گمراہی اور حکومتوں کی سازشوں کا شکار ہو کر آج بھی اپنے کفر و شرک پر قائم ہیں۔

محمد علی سیّد۔

9 دسمبر 2016ء

9 ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ

قبل از اشاعت تبصرے

پیش نظر کتاب کو اگر مطالب کے لحاظ سے اعجازِ امامت قرار دیا جائے تو اس کی حیرت انگیز اور ماہرانہ سائنسی تشریح اس نسلِ پاک کے ایک لائق فرزند کی کرامت ہی قرار پائے گی۔

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی،
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

محمد علی سیّد کا مقصد ہے وسعت خیال، ترویجِ علم، نئی نسل کے لیے علوم جدید سے بتدریج آگہی کی تحریک، نئی روشنی کی تلاش اور اپنی تاریخ سے ایک انتہائی صاف شفاف باخبری۔

ڈاکٹر ہلال نقوی، جامعہ کراچی۔

محمد علی سیّد کی کتابیں پڑھیے۔ "ثقلین اور سائنس، لہو کی موجیں، رب العالمین۔۔ دعا اور انسان، جسم کے عجائبات، پانی کے عجائبات ۔۔۔ حقیقت سے نہایت ہی قریب تر لکھنے والا ہے یہ شخص۔ آپ ہی کے شہر میں رہتا ہے۔ محمد علی سیّد کی کتابیں پڑھیے، آپ خود محسوس کریں گے کہ آپ کی معرفت میں کتنا اضافہ ہوتا ہے۔ (محفل شاہ خراسان۔ محرم الحرام کی مجلس سے خطاب)

مولانا ڈاکٹر کلب صادق

محمد علی سیّد صاحب نے روایتی کتابیں لکھنے والوں کے برعکس کلامِ امامؑ کی تشریح پر سخت محنت کی ہے، کتابوں کے حوالے درج کیے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے ان علوم کے ماہرین سے الگ الگ ملاقاتیں کر کے ان تشریحات کو مستند بنایا ہے۔

پروفیسر جمیل حسن کاظمی،
ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اسپیس اینڈ پلینٹری آسٹروفزکس، کراچی یونیورسٹی

مقام مسرت یہ ہے کہ محمد علی سیّد جیسے اہل قلم ہمارے درمیان موجود ہیں جن کا مقصد کسی ایوارڈ کو حاصل کرنا، کسی ستارے کو چھونا اور تنقید نگاروں سے داد و تحسین حاصل کرنا نہیں بلکہ علم کے موتیوں سے ایسی مالا گوندھنا ہے جو کہ ہر نگاہ کا مرکز بن جائے۔

پروفیسر عبد المبین خان،
سربراہ شعبۂ خرد حیاتیات، اسلامیہ کالج، کراچی

ISBN: 978-969-9738-14-2

QURAN & SCIENCE RESEARCH FOUNDATION
SUBSIDIARY OF ZAHRA ACADEMY PAKISTAN
6, Jiwani Garden, JM-208/2, Amil Colony, Soldier Bazar No. 3,
Karachi- Pakistan. Tel: +92-21-32231200 - 34312770